امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد 9 دیسمبر 2020ء بمطابق ربیع الثانی 1442ھ ق شمارہ 10

نیٹو سربراہ کا غیر مناسب تبصرہ اور قبضہ کے بڑے نقصانات

اسلامی معیشت، اہمیت اور مستقبل کی ضروریات

- ❖ کلمۃ حق ارید بہا الباطل
- ❖ لندن اور کریملین کے محلات بھی کسی اسامہ نے گرائے تھے؟
- ❖ اشرف غنی، مغرب کی فکری و تہذیبی جارحیت کا آلہ کار

شیخ الریسونی کے نزدیک افغان جہاد اور کچھ حقائق

آسٹریلوی فوجیوں کے مظالم کا اعتراف اور افغان عوام کے دو عشروں کا المیہ

فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم **مر على صبرة من طعام فادخل يده فيهافنالت اصابعه بللا فقال ما هذا يا صاحب الطعام قال اصابته السمآء يا رسول الله قال افلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس من غش فليس منى .**

رواه مسلم

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ایک ڈھیر پر سے گزرے-آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر ڈال دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں نے تری اور گیلا پن محسوس کیا-آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ای غلہ والے ! یہ کیا معاملہ ہے اس نے جواب دیا "اس ڈھیر پر بارش پڑ گئی تھی" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بھیگے ہوے غلہ کو اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے-جو دھوکا دے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

'ماہنامہ شریعت' امارتِ اسلامیہ افغانستان کا اردو زبان میں واحد اور باضابطہ دینی، ثقافتی اور سیاسی مجلہ ہے۔ یہ امارت اسلامیہ کے رسمی "میڈیا و ثقافتی کمیشن" کی جانب سے شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ شریعت افغانستان میں جاری اسلام و کفر کی کشمکش، سیاسی و جہادی واقعات و حالات اور ستم رسیدہ مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے انسانیت سوز مظالم کا سچا اور چشم دید عکاس ہے۔

عکس دروں

نیٹو سربراہ کا غیر مناسب تبصرہ اور قبضہ کے بڑے نقصانات	2
شیخ الریسونی کے نزدیک افغان جہاد اور کچھ حقائق	3
ترجمان قطر دفتر ڈاکٹر محمد نعیم کا انٹرویو	6
آسٹریلوی فوجیوں کے مظالم کا اعتراف اور افغان عوام کے دو عشروں کا المیہ	9
کابل انتظامیہ کی جانب سے رہائی پانے والے قیدیوں کا ہدفی قتل	11
حالیہ امریکی انتخابات کے متعلق امارت اسلامیہ کا اعلامیہ	13
اسلامی حکومت کا ہدف، اسلامی ملک کی تعریف اور شرائط	14
اسلامی معیشت، اہمیت اور مستقبل کی ضروریات	17
مولوی نجم الدین سالک رحمہ اللہ کی حیات اور خدمات	19
لندن اور کریملن کے محلات بھی کسی اسامہ نے گرائے تھے؟	21
عوام کی جانب سے مجاہدین کا گرمجوشی سے استقبال	23
مغرب میں اسلامی مقدسات کی توہین کا مقصد	24
چھاپے کی رات	26
کابل پر کیا گزر رہی ہے؟	28
اسلامی نظام افغانوں کے تمام مسائل کا حل	29
کلمہ حق ارید بھا الباطل	30
ہفتہ وار تبصرہ	32
اکیسویں صدی اور چین کی حیرت انگیز ترقی	36
اشرف غنی، مغرب کی فکری و تہذیبی جارحیت کا آلۂ کار	38
کابل کے وحشی اہلکار یا امریکیوں کے ہتھیار	39
جنگی جرائم نومبر 2020	41

Twitter: www.twitter.com/shariatmagazine1
Facebook: www.facebook.com/shariatmagazine
Web: www.alemarahurdu.com
E-mail: shariatmagazine@yahoo.com
WhatsApp: 0093708638285

امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد ۹ / دسمبر ۲۰۲۰ / ربیع الثانی ۱۴۴۲ / شمارہ ۵

مدیر اعلیٰ: ولید افغان

نائب مدیر: شمس ابدالی

مجلس مشاورت

ملا اسد افغان — ہارون بلخی

اکرم تاشقین — محمد فرہاد جانباز

سیف العادل احرار

ڈیزائننگ: مولوی محمد فاروق

قیمت فی شمارہ 50 روپے

سالانہ 500 روپے

سالانہ زرِ تعاون

امریکا، آسٹریلیا، افریقا، یورپی ممالک: 40 ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات: 30 ڈالر

بنگلہ دیش: 28 ڈالر

ادار یہ!

نیٹو سربراہ کا غیر مناسب تبصرہ اور قبضہ کے بڑے نقصانات

محترم قارئین کے علم میں ہوگا کہ حالیہ دنوں میں بلجیم میں ہونے والی ایک کانفرنس میں نیٹو کے سربراہ ینس سٹولٹنبرگ نے کہا ہے کہ 19 برس کی اس طویل لڑائی کے بعد افغانستان کے حوالے سے ہمارے پاس دو راستے ہیں یا تو ہم ہمیشہ کے لئے افغانستان میں رہیں اور یا مکمل طور پر افغانستان سے نکل جائیں۔ لیکن یہ دونوں راستے ہمارے لئے پر خطر ہیں، افغانستان میں رہتے ہیں تو نقصان ہے، اس کے لئے ایک بڑی بجٹ درکار ہوگی اور اگر افغانستان سے نکل جاتے ہیں تو وہ قابل برداشت نہیں اور اس کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی جس میں 19 برسوں میں حاصل ہونے والی کامیابیوں سے ہاتھ دھونا بھی شامل ہے۔

2001 میں جب امریکہ کی قیادت میں نیٹو نے افغانستان پر حملہ کیا اور بڑی جانی ومالی قربانیوں کی بدولت قائم کئے جانے والے اس نظام کو گرایا جس نے افغانوں کو وحشی قاتلوں، لوٹ مار کرنے والے ڈاکوؤں سے نجات دلایا تھا۔ نیٹو نے مغربی ممالک سے لائے جانے والے اپنے غلاموں اور انہی قاتل اور لٹیروں کو حکومت کی کرسی پر بٹھادیا جن کے ہاتھ مظلوم افغانوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے، جنہوں نے روس کے خلاف جہاد اور اس جہاد میں دی جانے والی قربانیوں کے ساتھ جفاکاری کی تھی، اپنی کرسئ اقتدار کے لئے افغانستان کے اندر جنگ کی آگ لگائی تھی جس میں ہزاروں افغانی موت کے منہ میں چلے گئے اور کابل سمیت ملک کے کئی شہر دیکھتے ہی دیکھتے کنڈر بن گئے اور لاکھوں لوگ ہجرت پر مجبور ہوگئے، نظام ختم ہوا اور افغان قوم بدامنی اور فقر کی ایسی حالت کا شکار ہو کر رہ گئی جس کی مثال افغانستان کی پوری تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

نیٹو کے افغانستان میں آتے ہی ان لٹیروں کو افغانوں پر مسلط کرنا نیٹو کا افغان قوم کے ساتھ بڑا ظلم تھا، ایک بار پھر افغانوں پر ان لوگوں کی وحشت وسربریت کا راج قائم ہوگیا، بیرونی قابضین سے پہلے یہی غنڈے راتوں کو افغانوں کے گھروں پر حملے کر کے مختلف ناموں سے عام لوگوں کو قتل کرتے، رقم کے حصول کے لئے لوگوں کو بدنام زمانہ جیلوں میں لے جاتے، انہوں نے قومی خزانوں کو لوٹا، تمام اداروں رشوت کے اڈے بن گئے، عالمی سطح پر بدعنوانی اور کرپشن میں افغانستان کا نام پہلی نمبر پر آگیا، افغانستان کی مادی اور معنوی اقدار کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا، ملکی استقلال، تہذیب وثقافت کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی اور اس قوم کی عزت کو پامال کیا گیا۔

لیکن یہ سب کرنے کے بعد بھی نیٹو اپنے ان مقاصد کو پانہ سکا جن کا وہ تذکرہ کرتا ہے، مغرب کے وہ مکار سربراہان جنہوں نے اپنے مفاد کو جنگ کے دوام سے وابستہ کرلیا ہے اپنی عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش میں ہیں کہ 19 برس تک جاری رہنے والا یہ جنگ ہمارے لئے نتیجہ خیز ثابت ہوا ہے، یہاں جمہوریت قائم ہوگئی ہے، لوگ آزادی حاصل کر چکے ہیں، عورتوں کو حقوق مل گئے ہیں اور انہیں سرکاری اور پرائیویٹ دفتروں میں کام کرنے کے مواقع میسر آگئے ہیں۔

جنگ کی دوام چاہنے والے یہ مغربی سربراہان نام نہاد جمہوریت کے قیام اور بزعم خود خواتین کو آزادی ملنے کے علاوہ کوئی اور کامیابی نہیں دکھا سکتے، اس لئے بار بار یہی دہرا رہے ہیں۔

افغان قوم اور پوری دنیا اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اس قسم کی باتیں صرف قوم کو بہلانے کی ناکام کوشش کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے جمہوریت کو اتنا بدنام کیا ہے کہ آئندہ سو برس تک کوئی یہاں اس کا نام بھی نہیں لینے والا نہیں ہوگا، یہاں بیرونی قابضین اور اندرونی کٹھ پتلیوں کے ہاتھوں ہزاروں بے گناہ افراد کو شہید اور قیدی بنانا، قومی املاک کو بری طرح لوٹا گیا، عالمی سطح پر بدعنوانی اور کرپشن میں افغانستان کا نام پہلی نمبر پر آنا، افغانستان کی مادی اور معنوی اقدار کے ساتھ کھلواڑ کرنا، افغانوں کے مقدس مقامات واشیاء کی توہین کرنا۔ تو کیا یہی جمہوریت ہے؟

گنتی کے چند ذہنی اور جسمانی غلاموں کے علاوہ ملک بھر کے لوگ اس طرح کی جمہوریت پر لعنت بھیجتے ہیں۔

نیٹو کی جانب سے اس قوم پر مسلط کی گئی جنگ کے نتیجے میں ہر دن سیکڑوں لوگ قتل ہوتے ہیں، ہر قتل ہونے والے پر سیکڑوں خواتین روتی ہیں، کوئی بیوہ ہوتی ہے، کوئی یتیم ہو جاتی ہے کسی کا بیٹا قتل ہوتا ہے تو کوئی بھائی سے محروم ہو جاتی ہے۔ تو بڑے شہروں میں چند خواتین کو این جی اوز اور دیگر دفاتر میں لانا اور آئے دن ہزاروں خواتین کو رلانے کو کون سا احمق انسان خواتین کے حقوق کو پورا کرنا کہے گا۔

افغانی مسلمان ملک کی ازادی اور شریعت کے نفاذ کو سب سے بڑی کامیابی سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ گزشتہ 40 برس سے اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں دیتے آئے ہیں۔ یہ قوم مسلمان قوم ہے، اس کے مرد وخواتین کا یہی عقیدہ ہے کہ وطن کی آزادی ہی ہماری حیثیت اور عزت ہے اور یہ قوم وہ آزادی چاہتی ہے جو انسانی فطرت اور شرعی تعلیمات کے موافق ہو۔ اس لئے کہ اس قوم کا عقیدہ ہے کہ اسلامی نظام میں ہمیں تمام تر مناسب آزادیاں ملنا یقینی ہے۔

اپنے عہدے کو پیش نظر رکھتے ہوئے نیٹو سربراہ کو چاہئے تھا کہ صرف مادی فوائد کا تذکرہ نہ کرے، یہ اس کے عہدے کے ساتھ مناسب نہیں۔ اسے اپنی اخلاقی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے تھی، حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ ہمارا یہ 19 سالہ طویل جنگ بے نتیجہ رہی، اس طویل جنگ میں ہم نے اپنے یا افغانوں کے لئے کچھ بھی حاصل نہیں کیا، اس لئے چاہئے کہ جلد از جلد فوجوں کو یہاں سے نکال دیا جائے اور اس بے فائدہ اور بے نتیجہ جنگ کو بند کر کے مزید انسانی جانوں کے ضیاع کو روکا جائے۔

اگر نیٹو کا سربراہ ایسا کرتا ہے تو وہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے ورنہ مستقبل قریب میں انہیں اپنی انہی باتوں پر پشیمانی ہوگی اور اپنی قوم کے سامنے ملامت ہوں گے، پھر وقت گزر چکا ہوگا اور تاریخ میں ان کے لئے ایک سیاہ باب کا اضافہ ہو چکا ہوگا۔

شیخ الریسونی کے نزدیک افغان جہاد اور کچھ حقائق

موسیٰ فرہاد

طلوع نیوز نے احمد الریسونی کے نام سے ایک عرب شیخ کا انٹرویو نشر کیا، جس میں انہوں نے افغانستان کی 40 سالہ جنگ اور موجودہ صورتحال کے بارے میں اپنا نقطۂ نقطۂ نظر بیان کیا اور کہا کہ "امریکی افواج کے انخلا کے بعد افغانستان میں جنگ کا کوئی شرعی جواز باقی نہیں رہا ہے"۔

الریسونی کون ہے؟

احمد بن عبدالسلام بن محمد الریسونی 1953 میں ایک افریقی عرب ملک العرائش میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے عربی ادب، قانون، فلسفہ، اور شرعی قوانین کی تعلیم حاصل کی اور پہلے اپنے ملک میں چیف جسٹس کے محرر مقرر ہوئے، پھر انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے وکالت کا پیشہ اختیار کیا، بعد ازاں التجدید میگزین کے ایڈیٹر رہے اور اسی وقت کچھ ٹی وی چینلوں میں مذہبی پروگرام بھی چلاتے رہے، اس کے بعد انہوں نے توحید و اصلاح کے نام سے ایک انجمن تشکیل دی، انہوں نے مختلف سرکاری اور غیر سرکاری عہدوں پر کام کرنے کے بعد اب علماء کی عالمی تنظیم [الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین] کی قیادت سنبھالی ہے جس کی بنیاد 2004 میں لندن میں قائم کی گئی تھی اور اب اس کا مرکزی دفتر قطر میں ہے۔

وہ اکثر اوقات میڈیا پر بین الاقوامی معاملات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں، دنیا میں اسلامی تحریکوں اور مذہبی معاملات کے بارے میں ان کا اپنا الگ نظریہ ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت علمی کتابیں لکھی ہیں۔

طلوع نیوز کے ساتھ انٹرویو:

رپورٹر نے سوال کیا کہ افغانستان میں موجودہ جنگ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اب غیر ملکی افواج نہیں ہیں، دونوں طرف سے مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں؟

شیخ احمد الریسونی نے کہا: ہم مجموعی طور پر افغانستان میں 40 سال سے صورتحال کو دیکھ رہے ہیں، ہم افغان عوام کے دکھ اور خوشی میں خود کو شریک سمجھتے ہیں۔ میں نے طالبان رہنماؤں سے بھی کہا کہ اب مفاہمت کا وقت آگیا ہے، جنگ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں رہی ہے، تمام افغانوں کو نئی حکومت کی تشکیل کے بارے میں سمجھوتہ کرنا چاہئے، مسلمانوں کے مابین لڑائی کا کوئی جواز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر ایک شخص بھی مارا جاتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اب غیر ملکی اس ملک میں موجود نہیں ہیں۔

انہوں نے انٹرویو کے دوران اس آیت کا ذکر کیا کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پس اگر ایک ان میں دوسرے پر ظلم کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ ان کے مطابق اگرچہ افغانستان کی موجودہ صورتحال اس آیت کے مطابق نہیں ہے، تاہم ہمارا مؤقف یہ ہے کہ اس جنگ کو فوری طور پر بند کرنا چاہئے، مسلمانوں کے مابین جنگ کا کوئی جواز نہیں ہے۔ سب کو افہام و تفہیم سے مسائل کا حل نکالنا چاہئے۔

ان کی ساری گفتگو کا خلاصہ یہی تھا کہ مسلمانوں کے درمیان جنگ کا کوئی شرعی جواز باقی نہیں رہا ہے، انہیں چاہئے کہ باہمی مفاہمت کے ذریعے مسائل کا حل تلاش کریں۔

ان کی گفتگو علمی فتوی کی بجائے ایک سیاسی موقف کا اظہار تھا، ظاہر ہے کہ ہر شخص جنگ کے بجائے افغانوں کو سیاسی مفاہمت کی سفارش کرتا ہے، اور یہ اپنی سیاسی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھتا ہے لیکن یہ درخواست تب کرتا ہے کہ جب اس کو افغانستان کے چالیس سالہ جہادی مزاحمت کا مکمل ادراک نہ ہو، فتویٰ جاری کرنے کی کوششیں تب ہی قابل اعتماد ہوں گی جب کوئی اس موضوع سے متعلق اصل حقائق سے بخوبی واقف ہو۔

جنگ کی بنیادی وجوہات:

افغانستان کی معاصر تاریخ کے دوران اگر ہم غور کریں تو یہاں جو جنگ شروع ہوئی ہے وہ سب سے پہلے غیر ملکی جارحیت یا غیر ملکی مداخلت کا نتیجہ ہے، دو بار برطانوی جارحیت کی مثال ہمارے سامنے ہے، پھر بالواسطہ اور براہ راست روسی جارحیت ایک اور مثال ہے، اس کے بعد امریکہ کی زیر قیادت نیٹو افواج کی یلغار آخری مثال ہے، حملہ آوروں کے انخلا کے بعد بعض اوقات جنگیں کچھ عرصے تک کیوں جاری رہتی ہیں؟ اس کی وجہ بھی قابض افواج کے کٹھ پتلی سہولت کاروں کی غداری ہے، جو مقدمۃ الجیش کا کردار ادا کرتے ہیں۔

جب حال اور ماضی دونوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ غیر ملکی حملہ آوروں کی وجہ

سے افغان عوام پر جنگ مسلط ہو گئی ہے، تو فطری طور پر افغانستان کے مسلمان عوام حملہ آوروں اور ان کے اتحادیوں کے خلاف مزاحمت کریں گے اور اپنی جان، مال، عزت اور مٹی کا بھرپور دفاع کریں گے جو ان کا قانونی اور فطری انسانی حق ہے جسے دفاعی جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ وہ جہاد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے، اگر وہ اس پر عمل نہیں کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

جارحیت کے خلاف مزاحمت عقلی اور شرعی لحاظ سے مسلمانوں پر فرض ہے، لیکن جارحیت پسندوں کے ملکی حامیوں اور سہولت کاروں سے جو مسلمان بھی ہیں، مناصرۃ الکفار یعنی کفار کے ساتھ تعاون کی بناء پر ان کے خلاف لڑنا اسلام نے فرض قرار دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ صرف مسلمان ہونے کی بنیاد پر ان کے خلاف جہاد کو رد نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے شیخ احمد الریسونی نے بار بار اپنی گفتگو میں کہا کہ امریکیوں کے انخلا کے 'بعد' مسلمانوں کے مابین لڑائی جائز نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکیوں کی موجودگی میں اگرچہ وہ مسلمان تھے لیکن ان کے خلاف جہاد جائز تھا۔

قابض امریکی افواج کے انخلا کے بعد کیا یہ واقعی مسلمانوں کی اندرونی لڑائی ہے، جو کہ جائز نہیں ہے، ہم اس کے بارے میں کسی اور زاویے سے بات کریں گے۔

متعدد بین الافغان جنگیں:

پہلی جنگ:

سوویت حملہ آوروں کے انخلا کے بعد مجاہدین نے ڈاکٹر نجیب کی زیر قیادت کمیونسٹ حکومت کے ساتھ تقریباً چار سال تک اپنی جنگ جاری رکھی۔ اگرچہ اس جنگ کو اس حکومت کے حکام اور حامیوں نے ناجائز اور اس کو افغانوں کا قتل عام قرار دیا تھا لیکن اس کے خلاف مسلم قوم کھڑی ہوئی تھی اور اسے دنیا کی اکثریتی امت مسلمہ کی حمایت حاصل تھی۔ اسے اسی طرح جہاد کہتے ہیں جس طرح اس نے روسیوں کے خلاف کیا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس حکومت نے جارحیت کی کھوکھ سے جنم لیا تھا، اور حملہ آوروں نے انہیں فوجی طاقت کے بل بوتے پر افغانوں پر مسلط کیا تھا، جب جارحیت کا خاتمہ ہوا تو مجاہدین نے جارحیت کے زیر سایہ مسلط ہونے والے نظام کے خلاف جہاد جاری رکھا کیونکہ اس نظام میں افغان عوام کی سیاسی، ثقافتی اور مذہبی اقدار کے تحفظ کے بجائے جارحیت پسندوں کے مفادات کو تحفظ فراہم کیا جاتا تھا، اس کا مقصد قابض کرملین کے مقاصد کا تحفظ کرنا تھا۔ کیوں کہ اس کمیونسٹ حکومت کی تخلیق، اقتدار تک رسائی اور اس کی بقا سوویت حملہ آوروں کی مرہون منت تھی۔

اسی وجہ سے افغان مجاہدین نے اس کے خلاف اسی طرح جہاد کیا جس طرح سوویت یونین کی جارحیت کے خلاف مزاحمت کی۔

دوسری جنگ:

مجاہدین کی فتح کے بعد کابل میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے مجاہدین کے نام سے کچھ تنظیموں کے درمیان جنگ شروع ہوئی جس میں پچھلے کامیاب جہاد، مجاہدین، مسلمانوں خصوصاً افغانوں کو بھاری روحانی اور جسمانی نقصان پہنچایا۔ وہ جنگ واقعی سب کی نظروں میں ناجائز تھی۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جسے جنگجوؤں کے سوا ہر ایک نے افغان نسل کشی اور مسلم نسل کشی قرار دیا، اقدار کی بجائے طاقت اور مادیت کی جنگ سے تعبیر کیا، جس نے ملک میں بدترین انتشار، فتنہ اور انارکی، کی بنیاد رکھی۔

ان گھمبیر حالات میں بدترین صورتحال پر قابو پانے کے لئے طالبان کی اسلامی تحریک ابھری اور بدترین صورتحال کو اس طرح کنٹرول کیا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، انہوں نے نہ صرف افغانوں کی جان، مال، عزت، ناموس اور حریت کو تباہی سے بچایا بلکہ ملک بھر میں مثالی امن اور استحکام قائم کیا اور مقدس اسلامی نظام کا ایک بہترین نمونہ دنیا کو پیش کر دیا۔

تیسری جنگ:

مذکورہ دو جنگوں کی روشنی میں موجودہ کابل انتظامیہ کے خلاف طالبان کی مزاحمت کا بہتر اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ یہ کس کیٹگری میں آتی ہے؟ ظاہر ہے کہ موجودہ حکومت سابقہ کمیونسٹ حکومت کی جانشین اور متبادل ہے۔ جس طرح مجاہدین نے روسی افواج کا مقابلہ کیا اسی طرح اس نظام کے خلاف بھی جہاد کیا۔ کیونکہ مجاہدین کمیونسٹ حکومت کو جارحیت کے مضر اثرات سمجھتے تھے، وہ حکومت جو نظریاتی طور پر الحاد اور کمیونزم پر کھلے عام یقین رکھتی تھی، موجودہ کابل انتظامیہ اگرچہ بہانگ دہل اعلان نہیں کرتی لیکن حقیقت میں سیکولرازم اور الحاد پر مکمل یقین رکھتی ہے۔

حملہ آوروں کے انخلا کے بعد جارحیت ختم ہو گئی؟

ابھی تک نیٹو افواج کا انخلا مکمل نہیں ہوا ہے، وہ بدستور افغانستان میں موجود اور افغان سیکورٹی فورسز کی حمایت کر رہی ہیں، آئے روز ان کے فضائی حملے ہو رہے ہیں اور کابل انتظامیہ کو مالی امداد اور ہتھیار فراہم کر رہی ہیں، اب تک تو یہ سوال نہیں اٹھایا جاسکتا ہے کہ کابل حکومت کے خلاف جنگ جائز ہے یا نہیں، کیونکہ ابھی تک قابض افواج اور افغان سیکورٹی فورسز ایک پیج پر ہیں اور دونوں مجاہدین کے خلاف فضائی اور زمینی کارروائیاں کر رہی ہیں۔

تاہم اگر تمام غیر ملکی افواج کا انخلا افغانستان سے مکمل ہو جائے گا تب کچھ سوالات پوچھے جاسکتے ہیں:

1۔ کیا امریکہ اور نیٹو اس کے بعد بھی افغان افواج کو مالی، ہتھیاروں اور تربیتی مدد

فراہم کرتے رہیں گے؟ اگر وہ ایسا کریں گے تو کیا وہ گذشتہ معاہدوں جیسے سیکیورٹی معاہدہ وغیرہ کے تحت تعاون کریں گے یا نئے معاہدے کریں گے؟

2۔ کیا کابل حکومت اپنے غیر ملکی دوستوں کے ساتھ دوستی کے وہ معاہدے جن کی بنیاد پر ان کے خلاف جہاد جائز تھا، منسوخ کرے گی یا برقرار رکھے گی؟

3۔ کیا غاصب قوتوں کی حالیہ جارحیت کو غیر قانونی اور اپنی دھرتی کے خلاف جارحیت قرار دیا جائے گا؟

4۔ کیا وہ اس 20 سالہ جہاد کے لیے بیرونی قوتوں کی طرح دہشت گردی اور انتہاپسندی کی اصطلاحات استعمال کرے گی؟

5۔ موجودہ نظام جس میں جہاد ممنوع اور الحاد اور سیکولرازم رائج ہے اور اسے قانونی حیثیت حاصل ہے، کیا وہ اس کے بعد بھی اسی طرح اس پر یقین کریں گے؟

اگر ان سب کا جواب نفی میں ہے، یعنی نہ تو غیر ملکی کابل حکومت کے ساتھ تعلق ختم کرنے کے لئے تیار ہیں اور نہ ہی کابل حکومت غیر ملکی آقاؤں کی غلامی سے برات کا اعلان کرنے پر آمادہ ہے، اور دونوں اب بھی اصرار کرتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے تمام پروگراموں اور منصوبوں کو باہمی تعاون سے آگے بڑھائیں گے۔ تو پھر ظاہر ہے کہ حملہ آور اگرچہ جسمانی لحاظ سے یہ ملک چھوڑ دیں گے لیکن روحانی اور تزویراتی اعتبار سے یہ جارحیت برقرار ہے اور موجودہ کابل حکومت قابضین کا جانشین ہے۔

پھر تو ظاہر بات ہے کہ کابل انتظامیہ کسی صورت میں بھی اسلامی حکومت کا دعوی نہیں کر سکتی، اور نہ ہی اس کے خلاف جاری مزاحمت کو ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے، جس طرح سوویت یونین کی شکست کے بعد کے دور حکومت کے خلاف جہاد کیا گیا تھا، اسی طرح اس حکومت کے خلاف بھی اسی طرح مقابلہ کیا جائے گا۔

کابل انتظامیہ کو قابض افواج کا متبادل کیوں سمجھا جاتا ہے؟

موجودہ حکومت حملہ آوروں کی آشیر باد سے ایک ایسے وقت میں مسلط کر دی گئی جب ملک میں اسلامی حکومت کے خلاف اس نے حملہ آوروں کے لئے مقدمۃ الجیش یا زمینی فورس کا کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے خلاف حملہ آوروں کے شانہ بشانہ کھڑی تھی۔ تاآنکہ ملک میں موجود اسلامی نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ حملہ آوروں کی مرضی کے مطابق ایک نیا نظام قائم کیا۔

قابض افواج نے 20 سال تک اس حکومت کی حمایت جاری رکھی، افغان سیکورٹی فورسز کو عسکری تربیت، فوجی وردی، اسلحہ اور تنخواہ سب کچھ انہوں نے فراہم کیا، وہ دونوں ایک مورچے میں بیٹھے مجاہدین کے خلاف کارروائیاں کر رہے تھے، مجاہدین نے قابض افواج کی جارحیت اور ان کے قائم کردہ فرسودہ نظام کے خاتمے کے لئے 20 برس تک جہاد کیا، اور جب قابض افواج کو شکست ہوئی تو انہوں نے ہوش کے ناخن لیتے ہوئے افغان تنازع کے حل کے لئے فوجی حکمت عملی کے بجائے سیاسی مفاہمت کا راستہ اختیار کیا اور طویل مذاکرات کے بعد امارت اسلامیہ کے ساتھ دوحہ میں امن معاہدہ کیا، چونکہ اس معاہدے کے تحت قابض افواج کا انخلا جاری ہے اس کے باوجود وہ وقتا فوقتا اعلانات کرتے رہتے ہیں کہ وہ کابل حکومت کی مالی اعانت جاری رکھیں گے کیونکہ کابل حکومت ان کے مقاصد کے تحفظ کے لئے قائم کی گئی ہے۔

یہی بات حکومت کے اعلی حکام ہر لمحہ دہرا رہے ہیں، کہ 20 سال کی کامیابیوں کے تحفظ اور اسلامی حکومت کی روک تھام کے لیے وہ مسلسل زہر اگلتے ہیں، انہوں نے ہمیشہ کہا ہے کہ افغان نیشنل آرمی واشنگٹن اور نیویارک کو تحفظ فراہم کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ ہم لندن اور واشنگٹن کی سلامتی کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں۔

گزشتہ روز اشرف غنی نے اراکین پارلیمنٹ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا "ہر ایک اپنی بات پر اصرار نہ کرے، ایک دوسرے کے موقف کی تائید کریں، طالبان کی آمد کے لئے راہ ہموار نہ کریں۔" ظاہر ہے کہ طالبان کا راستہ روکنے سے ان کا مقصد اسلامی نظام کی روک تھام کرنا ہے کیونکہ اگر طالبان ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں تو ان کے ساتھ ان کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ صرف اس اسلامی نظام کا ہے جو طالبان چاہتے ہیں اور ماضی میں طالبان نے نافذ کر کے دکھایا تھا پھر حملہ آوروں نے اس کا خاتمہ کر دیا، اسی اسلامی نظام کی روک تھام کرنا کابل حکومت اب اپنا فریضہ سمجھتی ہے۔

موجودہ حکومت میں الحاد، سیکولرازم، لادینیت اور مغربی آزادی کی اجازت ہے لیکن عملی جہاد، اسلام پسندی اور اسلامی قانون کے نفاذ کے نظریہ کو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے، یہاں تک کہ اس کے نزدیک یہ چیزیں دہشت گردی کے زمرے میں آتی ہیں۔

کابل حکومت طالبان کی آمد کو صرف اس شرط پر قبول کرتی ہے کہ وہ ہتھیار ڈال کر اس موقف سے گریز کریں کہ جارحیت کا مکمل خاتمہ اور اسلامی نظام کا نفاذ ہو۔

اب اگر ڈاکٹر احمد الریسونی افغانستان کی صورتحال اور موجودہ حکومت کے معاملے کا عمیق نظر سے جائزہ لیں تو ان کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کابل حکومت حملہ آوروں کے مذموم مقاصد اور منصوبوں کو تحفظ فراہم کرنے والا سیٹ اپ ہے جو سیکولرازم پر یقین رکھتا ہے، سیکولر جمہوری نظام کے تحت اس نے 99 فیصد مسلم قوم کا حق جو خالص اسلامی نظام کا نفاذ ہے، پاؤں تلے روندا ہے، اور قابض افواج سے بڑھ کر کابل حکام جارحیت پر مصر اور اسلامی نظام کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ان تمام حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد شیخ الریسونی قابض افواج اور ان کے حواریوں کے خلاف مجاہدین کی جاری جدوجہد کو شرعی نقطہ نظر سے پھر کبھی بھی غیر شرعی جنگ قرار نہیں دیں گے۔

بیرونی افواج کے انخلا
سے افغانستان میں حالات کی خرابی کے خدشات بے بنیاد ہیں

امارت اسلامیہ کے قطر دفتر کے ترجمان
ڈاکٹر محمد نعیم
کی روسی عربی چینل سے ویڈیو لنک پر گفتگو

سوال: سب سے پہلے تو آپ یہ بتائیے گا کہ قطری دارالحکومت دوحا میں مذاکرات شروع ہوئے دو مہینے مکمل ہونے کو ہیں، اس پورے وقت میں کیا ایسی پیش قدمی ہوئی ہے جس پر دونوں جانب سے بات مکمل ہوگئی ہو؟

جواب: سب سے پہلے آپ کو اور تمام سننے اور دیکھنے والوں میں اپنا سلام عرض کرتا ہوں۔ سوال کے متعلق کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان مذاکرات میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔ جس میں بحث اور گفتگو کا موضوع اصول اور لائحہ عمل طے کرنا تھا۔ جو اس وقت اتفاق کے قریب ہے۔ بلاشبہ اس درمیان دو مہینے سے زائد کا عرصہ گزرا ہے لیکن یہ کوئی انہونی نہیں بلکہ طبعی امر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اصول پر جلد ہی اتفاق ہوگا اور پھر ہم ایجنڈا تیار کرنے کے مرحلہ میں داخل ہونگے جو قابل اطمینان پیش رفت ہے۔

سوال: کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ یہ مذاکرات کب تک چلیں گے اور کتنی مدت میں یہ نتیجہ خیز ہونگے؟ کوئی تخمینہ ہے آپ کے پاس؟

ڈاکٹر صاحب: ایک معین مدت کا تخمینہ لگانا یہاں ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ افغانستان میں گزشتہ چالیس سال سے جو حالات اس وقت برپا ہیں پھر بالخصوص گزشتہ بیس سالوں کے اندر جو بے پناہ مشکلات کھڑی ہوئی ہیں، ملک یرغمال بنایا گیا ہے۔ اس لیے ان مشکلات کے حل کے لیے کوئی محدود اور متعین مدت طے کرنا آسان نہیں ہے۔ البتہ ہم امید رکھتے ہیں اور ساتھ ہی کوشش یہ ہے کہ کم سے کم مدت میں مذاکرات کا کوئی نتیجہ برآمد کرسکیں۔ اگر اس میں زیادہ وقت لگتا ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ان مشکلات کے پیشِ نظر ایسا ہونا ایک طبعی امر تھا جس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: جو موضوعات مذاکرات میں زیرِ بحث لائے جائیں گے ان میں آپ کی کچھ ترجیحات بھی ہیں؟ اگر ہاں تو وہ کیا ہیں؟

جواب: جی ہاں! مگر مذاکرات کی میز پر جب دونوں ٹیمیں بیٹھیں گی تو اس وقت ہر ایک اپنی ترجیحات پیش کرے گا۔

سوال: امارتِ اسلامیہ بحیثیت ایک جماعت یا تحریک کس چیز کو ترجیح دیتی ہے؟

جواب: جب تک ہم براہِ راست مذاکرات کی میز پر بیٹھیں گے نہیں اس وقت تک اس حوالہ سے کچھ نہیں کہا جاسکتا البتہ جب براہِ راست میز پر بیٹھ جائیں تو اس وقت وہ موضوعات اور اولویات اور ترجیحات سب سامنے آئیں گی۔

سوال: ابھی گزشتہ دنوں امریکی وزیر خارجہ مائیک پومپیو سے آپ کی ملاقات ہوئی بلکہ قطر میں مقیم دونوں ٹیموں سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ کے لیے امریکی وزیر خارجہ کیا میسج لائے تھے؟

جواب: امریکی وزیر خارجہ سے ہماری ملاقات اسی سلسلہ کی ایک لڑی ہے جو دوحا معاہدہ کے بعد سے شروع ہوا ہے جس میں وقتاً فوقتاً ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس معاہدہ کا آپس میں تکرار کریں کہ کس حد تک عمل ہوا ہے؟ کتنا عمل باقی ہے؟ کہاں پر خلاف ورزی ہوئی ہے؟ معاہدہ کے اندر جو شقیں موجود ہیں ان کی تطبیق اور وہ ذمہ داریاں جو ایک دوسرے کو نبھانی ہیں جن کا اس معاہدہ سے تعلق ہے، ان پر اس حیثیت سے بحث کرنا از حد ضروری بھی ہے کہ کس نے کتنی ذمہ داری نبھائی ہے۔ یہ ملاقات اس طرح کی باتوں پر مشتمل تھی۔ ان باتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ امارتِ اسلامیہ کے جو لوگ اس وقت جیلوں میں ہیں ان کی جلد از جلد رہائی ممکن بنادی جائے۔ اسی طرح سے امارتِ اسلامیہ بذاتِ خود اور امارتِ اسلامیہ کے رہنماؤں کے نام بلیک لسٹ سے جلد از جلد نکالے جائیں۔ ان میں ایک اور اہم بات یہ تھی کہ اجنبی فوج اور بیرونی قوتوں کا افغانستان سے جلد از جلد انخلاء ہوجائے۔ اس ضمن میں امارتِ اسلامیہ کی جانب سے یہ اطمینان بھی دلایا گیا کہ سرزمین افغانستان کسی کے خلاف استعمال نہیں ہونے دی جائے گی۔ تو اس طرح کی باتیں اس ملاقات میں ہوئی ہیں اور یہ ہر ملاقات میں اس کا تکرار ہوتا ہے۔

سوال: امریکا کی حالیہ ٹرمپ انتظامیہ جو کہ اپنے اختتامی مرحلہ میں ہے، امن کے قیام میں جلدی کی خواہاں ہے، تو کیا آپ اس کو ممکن سمجھتے ہیں؟

جواب: جی بالکل! ہماری کوشش بھی یہ ہے کہ یہ مذاکرات جلد سے جلد اختتام کو پہنچ جائیں اور نتیجہ خیز ہوں۔ ہم سب اسی کے لیے حرکت اور محنت کررہے ہیں۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود مکمل امن کے قیام تک وقت لگے گا۔ کیونکہ یہ مقصد جلد بازی میں حاصل نہیں ہوسکتا البتہ پھر بھی کوشش یہی رہے گی کہ جتنا جلدی ممکن ہو ہم مذاکرات کو کامیاب بناسکیں۔

سوال: محض اصول وضع کرنے کے لیے دو مہینے سے زیادہ کا وقت صرف ہوا ہے، اس کے بعد کیا آپ سمجھتے ہیں کہ امن کے جلدی قیام اور مذاکرات میں تیزی سے کوئی چیز مانع ثابت نہیں ہوگی اور کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی؟

جواب: بلاشبہ ان مذاکرات میں مشکلات موجود ہیں اور وہ کوئی معمولی نہیں بلکہ بہت زیادہ اور گہری مشکلات ہیں۔ یہی مشکلات ہی تو تھے کہ ہم امریکی ٹیم کے ساتھ

ڈیڑھ سال سے زائد عرصہ گزارنے کے بعد کہیں جا کر اتفاق رائے کر سکے۔ اسی طرح دنیا میں یہ رواج ہے کہ لمبی جنگوں کے بعد جو ڈائیلاگ ہوتی ہے عمومی طور پر وقت لیتی ہے۔ اس لیے ہم اپنے نقطہ نظر سے یہ دیکھتے ہیں کہ جو وقت لگا ہے یہ بالکل بجا لگا ہے اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔

سوال: وائٹ ہاوس میں جو تبدیلی آنے والی ہے اس حوالہ سے کیا یہ معاہدہ جو آپ کے اور امریکا کے درمیان ہوا ہے یوں ہی برقرار رہے گا یا اس میں کسی تبدیلی کا امکان بھی ہے؟ افغانستان کی سیاست میں نئی انتظامیہ کا کردار کیسا ہو گا آپ کے ذھن کے مطابق؟

جواب: ہمارے ہاں یقین یہ ہے کہ اس طریقہ کار اور رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہم نے جو معاہدہ امریکا کے ساتھ کیا ہے وہ کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہے جو دو شخصیتوں کے درمیان ہوا ہو اور پھر شخصیت کے بدل جانے سے وہ ختم ہو جائے۔ بلکہ یہ دو نظاموں اور اسٹیٹ کی حیثیت سے معاہدہ ہوا ہے جسے تبدیل کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ پھر اس معاہدہ کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ کوئی اقتصادی اور تجارتی معاہدہ ہے نہیں، بلکہ یہ جنگ کے خاتمہ کے لیے اتفاق رائے ہوا ہے۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ افغانستان میں جاری جنگ معاصر تاریخ کی سب سے لمبی جنگ ہے اور اتنی بات بھی پوری دنیا کو معلوم ہے کہ جنگ کسی کے مفاد میں نہیں ہوتی۔ اس لیے جنگ کو خاتمہ تک پہنچانا ضروری ہے۔ اس لیے ہمیں امید ہے کہ کوئی تغییر نہیں آئے گی اور حالات جس طرح طے ہوئے ہیں اسی طرح چلتے رہیں گے اور جنگ کے خاتمہ میں دونوں جہات اپنا کردار ادا کریں گے۔

سوال: ٹرمپ کے اس اعلان کو کیسے دیکھتے ہیں، جس میں انہوں نے کہا کہ پندرہ جنوری سے پہلے اپنے دوہزار فوجوں کو نکال لائیں گے؟

جواب: جی! جو اعلان انہوں نے کیا ہے یہ دراصل معاہدہ کا ایک جزء ہے۔ جس میں امریکی فوجوں کا چودہ مہینوں میں انخلاء شامل ہے اور ایسا کرنا سب کے مفاد میں ہے۔ اس لیے ہمیں امید ہے کہ امریکا معاہدہ کی دیگر شقوں پر بھی اسی طرح عمل کرے گا۔

سوال: معاہدے کی کل شقیں ہیں کیا؟

جواب: ایک بنیادی شق یہ ہے کہ بیرونی افواج مکمل انخلاء کریں گی۔ دوسری بنیادی شق یہ ہے کہ امارتِ اسلامیہ کی طرف سے افغانستان کی سرزمین کا کسی کے خلاف استعمال نہ ہونے کا اطمینان دلایا جائے گا۔ تیسری شق یہ کہ پانچ ہزار قیدیوں کو رہا کیا جائے گا اور اسی کے نتیجہ میں چوتھے نمبر پر بین الافغان مذاکرات شروع ہونگے۔

سوال: تشدد کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ابھی کل ہی بامیان میں واقعہ ہوا ہے جس کی امارتِ اسلامیہ نے تردید کی۔ اسی طرح گزشتہ دنوں کئی واقعات رونما ہوئے جن کی امارتِ اسلامیہ نے مسلسل تردید کی اور ذمہ داری سے براءت کا اعلان کیا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب کہ دونوں ٹیمیں قطر میں تشدد کے خاتمہ کے لیے بیٹھی ہیں پھر یہ واقعات کس کی کارستانیاں ہیں؟

جواب: تشدد میں کمی لانا یہ تمام جہات کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ ہم نے معاہدے میں یہ طے کر رکھا ہے اور ہم فی الوقت اس پر عمل پیرا بھی ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ اس معاہدے سے قبل ہم ہر سال موسم بہار میں آپریشن کا اعلان کرتے تھے اور اس کو باقاعدہ نام دیتے تھے مگر اس سال ہم نے آپریشن کا اعلان کیا ہے اور نہ ہی کوئی نام دیا ہے۔ نہ ہی جنگ کا اعلان کیا ہے۔ یہ ہماری تشدد میں کمی کی پہلی مثال ہے۔ معاہدہ سے پہلے ہم بڑے بڑے شہروں میں اور اضلاعی مراکز میں دشمن کے خلاف بڑی بڑی کارروائیاں کرتے تھے۔ لیکن معاہدے کے بعد سے ہم نے اس طرح کے حملے روک دیے ہیں۔ اسی طرح معاہدہ سے پہلے ہم فدائی حملے کرتے تھے، اب یہ سلسلہ موقوف کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح پہلے ہم منصوبے بناتے تھے کہ فلاں فلاں شہر کو فتح کرنا ہے اور دشمن کے قبضہ سے چھڑانا ہے، جس طرح پہلے ہم نے صوبہ غزنی، صوبہ قندوز، صوبہ فراہ وغیرہ فتح کر لیا تھا لیکن اس سال ہم نے اس طرح کے منصوبے بھی روک رکھے ہیں۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جانب مقابل باوجود یہ کہ معاہدے میں واضح طور پر یہ موجود ہے کہ بمباری، پیش قدمی اور راتوں کو چھاپے سب ممنوع ہوں گے۔ لیکن مقابل فریق نے یہ سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا ہے۔ اس پر ہم نے انہیں آگاہ کیا کہ اس طرح کی کارروائیوں سے فضا بدلے گی اور جو حالات میں قدرے بہتری آئی ہے، ان میں نامناسب تبدیلی آئے گی۔ چنانچہ ان کے نہ ماننے سے مجاہدین مجبور ہو گئے اور رد عمل دینے لگے جس میں بدخشان، ہلمند اور قندہار کے بعض علاقوں میں کچھ کارروائیاں شامل ہیں۔ البتہ اس کے علاوہ کچھ اور کارروائیاں بھی ہوئی ہیں جن میں دینی مراکز پر حملے، تعلیمی سینٹرز کو نشانہ بنانا اور بعض تعلیمی اداروں کے اساتذہ کی ٹارگٹ وغیرہ شامل ہیں یہ امارتِ اسلامیہ سے تعلق نہیں رکھتی اور امارتِ اسلامیہ نے بروقت ان سے براءت کا اعلان بھی کیا ہے۔ یہ ہمارا وطیرہ رہا ہے کہ ہم ہر اس وحشت کی مذمت کرتے ہیں جس میں عام شہریوں کو نشانہ بنایا گیا ہو۔ ان حملوں کی ذمہ داری عرصہ سے ایک ٹولہ قبول کرتا چلا آرہا ہے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ کابل انتظامیہ ان جیسے حملوں میں بڑا کردار ادا کرتی رہی ہے اور اس ٹولہ کی پشت پناہی کرتی ہے۔

سوال: آپ کیا سمجھتے ہیں بیرونی افواج کے انخلاء سے امن کی حالت مزید گھمبیر ہو جائے گی، جس طرح کہ اس وقت مشاہدہ میں آرہا ہے یا بہتری کی توقع بھی ہے؟

جواب: اس وقت جو حالت ہے یہ کابل انتظامیہ کے بعض افراد کی منصوبہ بندی کے تحت ہی ہے۔ اس سے وہ لوگ دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دیکھیے جی آپ جارہے ہیں اور افغانستان میں یہ بدامنی ہے انتشار ہے۔ نت نئی جنگیں کھڑی ہو رہی ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امریکی انخلاء سے کوئی داخلی انتشار نہیں ہو گا محض ان کا اقتدار خطرے میں آئے گا۔ کیونکہ جس وقت انخلاء ہو رہا ہے عین اسی وقت امارتِ اسلامیہ

اور جانب مقابل کی مذاکراتی ٹیم مذاکرات کی میز پر بیٹھی ہیں اور وہ کوشش میں ہیں کہ جلد کوئی حل نکالیں۔اس لیے امریکی انخلا سے بہر حال امن ہی آئے گا۔

سوال: اس وقت افغانستان کی ضروریات کے پیش نظر اس کے ساتھ تعاون اور امداد کے لیے جنیوا کانفرنس ہورہی ہے۔اس میں اقوام متحدہ کے سکیرٹری جنرل اور دیگر یورپی نمائندوں نے فی الفور جنگ بندی کا مطالبہ کیا ہے۔آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اس وقت جبکہ دوحا میں بین الافغان مذاکرات چل رہے ہیں جنگ بندی یا سیز فائر کے کتنے امکانات ہیں؟

جواب: جنگ بندی کا موضوع معاہدہ میں آچکا ہے۔ بایں طور کہ یہ بین الافغان مذاکرات کا ایک جزء ہے اور اس پر وہیں بحث اور گفتگو کی جائے گی اور جلد ہی اس کا حل نکالا جائے گا۔تو جب ہم براہ راست مذاکرات شروع کریں گے تو یہ موضوع بھی وہاں رکھیں گے اور کسی حل تک پہنچ جائیں گے ان شاءاللہ۔

سوال: آپ کا کہنا ہے کہ ہم نے امارتِ اسلامیہ کو قائم کرنا ہے تو کیا وہ امارتِ اسلامیہ موجودہ جمہوری نظام سے ہم آہنگ ہوگی؟ یہ اس لیے کہ ابھی ہونے والی جنیوا کانفرنس میں امارتِ اسلامیہ کے قیام کے حوالہ سے یورپی یونین کے بیشتر ارکان نے خطرات اور تحفظات کا اظہار کیا ہے اور افغانستان کے ساتھ امداد دوحا مذاکرات میں پیش رفت کے ساتھ مشروط کر دی ہے؟

جواب: جی! افغانستان میں آئندہ نظام کیسا ہوگا؟ اس کے لیے ہمارے پاس دو بنیادی باتیں ہیں ایک یہ کہ جو نظام ہوگا وہ افغانی بود و باش اور افغانی معاشرتی نظام سے ہم آہنگ ہوگا۔ دوسری یہ کہ جو نظام آئے گا وہ اسلامی اصول پر مبنی ہوگا کیونکہ افغانستان میں ننانوے فیصد سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ اس لیے نظام بہر حال اسلامی اصول پر مبنی ہوگا اور افغانی معاشرتی اقدار اس میں سموئے ہوئے ہونگے۔ یہ عالمی اصول بھی ہے کہ ہر معاشرے پر قانون اور نظام وہی لاگو ہوگا جو ان کے طرز زندگی اور اقدار پر مشتمل ہو۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ طرز اور ثقافت مشرقی ہو اور قانون اس پر مغربی لاگو کیا جائے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ پوری مغربی دنیا میں جو نظام رائج ہیں وہ ان کے عقیدے اور قومی و دینی اقدار پر مبنی ہیں۔

سوال: طالبان کے دوبارہ آنے سے ایک خدشہ بہت شدت سے سامنے آرہا ہے کہ انسانی حقوق پامال ہونگے۔ خصوصا عورتوں کے حقوق کے بارے میں یہ تحفظات سامنے آتے ہیں کہ انہیں پھر سے زبردستی برقع پہنایا جائے گا۔ تعلیم سے محروم رکھا جائے گا۔آپ اسے کیسا دیکھتے ہیں؟

جواب: جو ممالک اور اشخاص اس طرح کے تحفظات کا اظہار کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں دیکھا ہے اور نہ ہی ہماری خواتین کے ساتھ تعامل دیکھا ہے۔ بہت سارے ایسے ممالک تھے جو اس طرح کے خدشات میں مبتلا تھے لیکن جب ہماری ان سے براہِ راست گفتگو ہوئی اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملا تو انہوں نے برملا اعتراف کیا کہ ہم آپ کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ تحفظات غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ابھی جس طرح آپ نے عورت اور انسانی حقوق کی بات کی ہے ہمیں پتہ ہے کہ آخر وہ کونسے حقوق ہیں جو امارتِ اسلامیہ نہیں دینا چاہتی۔ البتہ آج کل کچھ نام اور دعوے ایسے ہیں جن سے کچھ ممالک اور افراد اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں جن میں انسانی حقوق، نسوانی حقوق اور مرد وزن کے مساوات کے نعرے شامل ہیں۔ یہ ایسے نعرے ہیں جن کا کوئی صحیح مطلب واضح نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ خود وضع کرنے والوں کو بھی حقیقت سے زیادہ اپنے اغراض کی فکر ہوتی ہے۔ عورت کے حقوق سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

سوال: آپ کی تحریک بحیثیت ایک اسلامی تحریک افغانستان میں دیگر جماعتوں کے ساتھ اس طرح رہ سکتی ہے کہ انہیں برداشت کرے؟ ان کی رائے کا احترام کرے؟ خاص طور سے وہ جماعتیں جو لسانیت، قومیت یا پھر سیکولرزم کا نعرہ بلند کرتی ہیں، کیا ان کے ساتھ ایک پارلیمان میں آپ بیٹھ سکتے ہیں؟

جواب: معذرت کے ساتھ میں عورت کے حقوق کے موضوع کو تھوڑا سا اور بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ عام طور پر اس وقت پوری دنیا میں مساواتِ مرد وزن کا نعرہ لگایا جاتا ہے لیکن ہم عملا دیکھ رہے ہیں کہ یہ مساوات خود نعرہ لگانے والوں نے کہیں بھی قائم نہیں کیے ہیں۔ جس کی میں کچھ مثالیں دینا چاہتا ہوں۔ امریکا کو بنے ہوئے تقریباً ڈھائی سو سال ہورہے ہیں۔ اس عرصہ میں جب سے جمہوریت آئی ہے اب تک پینتالیس صدور آئے ہیں اور اب چھیالیسواں صدر منتخب ہونے کو ہے، مگر ان چھیالیس میں سے کوئی ایک بھی خاتون بطور صدر منتخب نہیں ہوئی۔ یہاں کیوں مساوات کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا؟ عورت کے حقوق کیوں یاد نہیں آتے؟

اسی طرح اقوامِ متحدہ کے قیام کو ستر سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اور اس کے تقریباً اسّی جنرل سکیرٹری منتخب ہوئے ہیں جن میں ایک بھی خاتون نہیں ہے۔ اب جو لوگ ہمیں کسی چیز کی دعوتِ فکر دیتے ہیں خود انہیں بھی تو کوئی قابل ذکر نمونہ عمل کی دنیا میں پیش کرنا چاہیے۔

اب آپ نے جو دوسرا سوال کیا ہے کہ دیگر جماعتوں کے ساتھ سیاسی اشتراک کیسا ہوگا، تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ جس طرح پہلے میں نے بتایا کہ آئندہ نظام کی نوعیت بین الافغان مذاکرات میں زیر بحث آئے گی اور افغانی جہات اس پر بحث کریں گے تو جو طے ہوگا وہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

سوال: آخر میں یہ بتا دیجیے کہ روس کا افغانستان کے ساتھ تعلق کیا ہوگا اور آپ اس سے کس طرح کا کردار ادا کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں؟

جواب: عمومی طور پر ہم تمام ممالک کے ساتھ دو طرفہ احترام کا تعلق چاہتے ہیں اور سب سے یہی توقع ہے کہ افغانستان سے بیرونی افواج کے انخلاء اور امن کے قیام میں مثبت کردار ادا کریں مگر روس جو کہ پڑوسی بھی ہے اور بڑا ملک بھی ہے اس لیے اس کو اچھا کردار ادا کرنا چاہیے۔

آسٹریلوی فوجیوں کے مظالم کا اعتراف اور افغان عوام کے دو عشروں کا المیہ

اکرم تاشفین

آسٹریلیا نے بالآخر اعتراف کرلیا کہ افغانستان میں تعینات میں ان کی افواج نے اپنی تعیناتی کے دوران عام بے گناہ لوگوں کو بے رحمی سے قتل کیا ہے۔ آسٹریلین ڈیفنس فورس نے افغانستان میں جنگ کے دوران آسٹریلوی فوجیوں کے ہاتھوں افغان شہریوں کی غیر قانونی ہلاکت کے الزامات کی تحقیقات پر مبنی رپورٹ جاری کی ہے۔ غیر ملکی خبر ایجنسی کے مطابق افغانستان میں 39 شہریوں کے قتل میں 19 آسٹریلین فوجیوں کے ملوث ہونے کے ثبوت سامنے آئے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اسپیشل آسٹریلین فورسز نے افغان جنگ کے دوران غیر قانونی طور پر 39 افراد کا قتل کیا، ان سابق یا موجودہ آسٹریلین فوجیوں نے مختلف جرائم کیے یا ان کے شراکت دار بنے۔ اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیشتر الزامات "اسپیشل ایئر سروس ایلیٹ یونٹ" کے آسٹریلین فوجیوں سے متعلق ہیں۔ خبر ایجنسی کے مطابق قتل کے واقعات 2009 سے 2013 کے درمیان ہوئے تھے، 4 سال کی تحقیقات میں 57 واقعات کا جائزہ اور 400 سے زائد گواہوں کے بیانات قلمبند کیے گئے۔

رپورٹوں کے مطابق آسٹریلوی افواج نے عام لوگوں کو انتہائی بے رحمی سے قتل کیا۔ سینیئر افسر نو وارد فوجیوں کو قتل کی تربیت دینے کے لیے انہیں اکساتے کہ گرفتار شدہ عام لوگوں کو فائرنگ کا نشانہ بنائیں۔ اس عمل کو بلڈنگ کہتے۔ کئی مواقع پر عام لوگوں کو گرفتار کرکے بلاوجہ نشانہ بنایا گیا۔ آسٹریلوی افواج کے ہاتھوں افغانستان کے مظلوم عوام کا جس بے دردی اور شقاوت سے قتل کیا گیا اس کا اندازہ ایک مثال سے لگایا جاسکتا ہے، میڈیا رپورٹوں کے مطابق ہلمند میں پوست کی کاشت کے خلاف آپریشن کے دوران 7 عام افراد کو گرفتار کیا گیا۔ جب ہیلی کاپٹر میں انہیں بٹھایا جارہا تھا تو پائلٹ نے کہا کہ افراد زیادہ ہیں، ایک آدمی کم کرنا ہوگا۔ فوجیوں نے ایک فرد کو اتار کر فائرنگ کرکے قتل کردیا اور اس کی لاش وہیں کھیتوں میں پھینک دی۔ ان وحشیانہ مظالم میں بچوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔ آسٹریلوی افواج کے مظالم کا نشانہ بچے بھی بنے۔

اس ظلم کا انکشاف پہلی بار 2017 میں ہوا۔ جب کچھ صحافیوں نے افغانستان میں تعینات آسٹریلین افواج کے ہاتھوں عام افغان شہریوں اور قیدیوں پر مظالم کا انکشاف کیا۔ "افغان فائلز" کے نام سے ایسی معلومات کی فائلز آسٹریلیا کے فوجی انتظامیہ میں زیر گردش رہی۔ جو بعد ازاں لیک ہوکر میڈیا پر آگئی۔ جارحیت پسند آسٹریلیا کی حکومت نے پہلے تو اس معاملے کو دبانا چاہا۔ ان صحافیوں کو گرفتار کیا گیا اور پولیس کے زیر حراست ان سے تفتیش کی گئی۔ ان اداروں کو زیر عتاب رکھا گیا جنہوں نے اس حوالے سے معلومات نشر کیں۔ لیکن پھر ABC (آسٹریلین براڈ کاسٹنگ) نے یہ فائلز نشر کیں اور معاملہ پوری دنیا کے سامنے آگیا کہ 2005 سے 2016 تک آسٹریلوی افواج نے افغانستان میں عام لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ مجبوراً آسٹریلوی حکومت کو تحقیقات کرنی پڑیں۔ آسٹریلین ڈیفنس فورسز کی تحقیقاتی کمیٹی نے ہی یہ تحقیقات کیں، جس کے انچارج میجر جنرل جسٹس پال بریریٹن تھے۔ لیکن 2005 سے 2016 تک کے دس سالوں کی بجائے صرف 2009 سے

2013 تک کے چار سالوں کی تحقیقات کی گئیں، جن میں صرف 19 فوجیوں کے متعلق شواہد سامنے آئے ہیں۔

عالمی ذرائع ابلاغ اے ایف پی، روئٹرز اور دیگر اداروں کی جانب سے شائع ہونے والی یہ رپورٹیں بعد ازاں دنیا بھر کے میڈیا کی زینت بنیں اور اس پر دنیا بھر میں افسوس کا اظہار کیا گیا۔ چین کی وزارت خارجہ کے ترجمان لیجیان ژاو نے ایک آسٹریلوی فوجی کی تصویر ٹویٹر پر شائع کی جس میں وہ ایک افغان بچی کو خنجر سے قتل کر رہا ہے۔ لیجیان ژاو نے کہا کہ آسٹریلوی فورسز کے مظالم نے ہمیں حیران کر دیا ہے۔ اس کی تحقیقات ہونی چاہییں اور مجرموں کو سزا ملنی چاہیے۔ آسٹریلوی وزیراعظم نے اس تصویر کی اشاعت پر چین کو تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ وہ اس تصویر کو حذف کر دیں۔ مگر چین نے مغربی دنیا پر تنقید کرتے ہوئے اپنے موقف کا دفاع کیا اور کہا کہ مغربی دنیا کی ساری انسانیت دوستی گوری چمڑی اور انگریزی بولنے والوں تک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آسٹریلین فوجیوں کے ان مظالم پر اگر زبردست تنقید کی ہے تو چین نے کی ہے، اور کسی نے نہیں کی۔

قارئین کرام! آسٹریلوی حکومت نے محض چار سال کی تحقیقات کی ہیں۔ دس سال کی تحقیقات کی جائیں اور آسٹریلیا ہی میں بیٹھ کر کرنے کی بجائے افغان وطن کی گلیوں میں آکر لوگوں سے پوچھا جائے تو حقائق کھل کر سامنے آجائیں گے۔ 19 فوجیوں کی قربانی دے کر آسٹریلیا اور مغربی دنیا اپنے چہرے کا کالک صاف کرنا چاہتی ہے۔ اس طرح کے مظالم امریکا، فرانس اور برطانیا کے فوجیوں نے بھی ڈھائے ہیں۔ قندہار اور ہلمند وغیرہ کے شہری ان مظالم کے عینی گواہ ہیں۔

بے لگام گورے فوجی شراب پی کر کسی بھی گھر میں گھس کر لوٹ مار کرتے، لوگوں پر تشدد کرتے اور فائرنگ کر کے لوگوں کو قتل کر کے چلے جاتے۔ یہ پچھلے دو عشروں پر محیط المیوں کی داستانیں ہیں جو یہاں ہر شخص کے سینے میں محفوظ ہیں۔ مگر یہ نہتے مظلوم افغان شکایت کریں تو کس سے؟ کس نے ان کی سنی ہے؟ کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کی بے بسی کا اندازہ تو اس سے لگایئے کہ آسٹریلیا کے اعتراف کے بعد اشرف غنی نے کہا ہے کہ ہمیں امید ہے آسٹریلیا اس معاملے میں انصاف کرے گا۔

آسٹریلیا کے اعتراف کے بعد انصاف کی امید!

جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تب یہ نام نہاد حکومت کہاں سوئی ہوئی تھی۔ اب بھی محض اتنا کہ انصاف کی امید! اگر یہ واقعتاً ایک ذمہ دار حکومت ہے اور اسے عوام کے دکھوں کا ادراک ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے عوام کے قاتلوں کی حوالگی کا مطالبہ کرے۔ آسٹریلیا سمیت ان ممالک سے تحقیقات کا مطالبہ کرے اور ان تمام ممالک سے اپنے شہریوں پر کیے جانے والے مظالم کا حساب مانگے۔

مغربی دنیا کی سپر طاقتیں پچھلے دو عشروں سے دہشت گردی کے خاتمے، تعمیر نو اور ترقی کے نام پر یہاں بیٹھی ہوئی ہیں، ہمیں یاد ہے حامد کرزئی نے انہیں اپنا مہمان کہا تھا۔

کابل انتظامیہ اب بین الافغان مذاکرات میں بار بار اس بات کا تکرار کرتی ہے کہ ہم بیس سالہ کامیابیوں سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ اس کا تحفظ کریں گے۔ ان کی بیس سالہ ترقی اور تعمیر نو کا ایک ہلکا سا نمونہ آسٹریلین حکومت کے اس اعتراف نامے میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ بیس سالوں میں کیا کیا ہوتا رہا وہ تو اللہ جانتا ہے، یا شاید تاریخ کے صفحات میں ان جرائم کی تفصیلات آجائیں۔

کابل انتظامیہ کی جانب سے رہائی پانے والے قیدیوں کا ہدفی قتل

ہارون بلخی

جب سے امارت اسلامیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکا کے درمیان دوحہ میں معاہدہ طے پایا ہے، اس وقت سے لے کر تادم تحریر کابل انتظامیہ کے سفاک اور بے ضمیر حکام مفاہمتی عمل اور بین الافغان مذاکرات کے موجودہ عمل کو سبوتاژ اور غیر موثر بنانے کے لیے طرح طرح کے بہانے، ہتھکنڈے اور منصوبہ بندی سے مختلف حوادث اور سانحات برپا کر رہے ہیں۔ اس معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ کابل کی جیلوں میں قید پانچ ہزار طالبان کو طالبان کے حراستی مراکز میں موجود ایک ہزار افغان سیکورٹی اہلکاروں کے بدلے میں رہا کیا جائے گا، جس کے فورا بعد بین الافغان مذاکرات کا آغاز ہوگا۔ اگرچہ یہ عمل طویل مدت کے بعد بار بار امریکی دباؤ اور دھمکیوں کے نتیجے میں مکمل ہوا، لیکن انسانیت کے دشمن اپنے گھناؤنے روش سے باز نہیں آئے۔

اس سے قبل اقتدار کے لالچی اور مغربی مفادات کے محافظ کابل انتظامیہ کے حکمرانوں نے ملک کی جیلوں میں طالبان قیدیوں کے خلاف خفیہ کارروائیاں شروع کیں، جس کے نتیجے میں متعدد قیدی شہید اور زخمی ہوئے۔ دوحہ معاہدے کے مطابق طالبان کے پانچ ہزار قیدی کابل انتظامیہ پر امریکی دباؤ اور امارت اسلامیہ کے عہدیداروں کی جدوجہد کے نتیجے میں رہا ہوئے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ان میں سے بعض افراد بیمار تھے، جنہیں علاج کی ضرورت تھی، بعض کے تعلیمی سلسلے ادھورے رہ چکے تھے، جنہیں وہ مکمل کرنا چاہتے تھے اور بعض کو دیگر مسائل کا سامنا تھا۔ ہر قیدی اپنے اپنے امور انجام دینے میں مصروف ہوا۔ لیکن کابل انتظامیہ کے جنگ طلب عناصر نے میڈیا کے ذریعے پروپیگنڈہ کیا کہ رہائی پانے والے قیدیوں نے دوبارہ میدان جنگ کا رخ کیا ہے۔ طالبان کے حملوں میں شدت آنے کی وجہ یہی رہا شدہ افراد ہیں۔ لیکن تمام معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق اس وقت ملک میں مجاہدین کی تعداد اتنی زیادہ ہے، کہ ہر مجاہد کو اسلحہ اور دیگر فوجی سازوسامان بہت مشکل سے میسر ہو رہا ہے۔ مجاہدین کی کثرت نے کابل انتظامیہ کے مقامی افراد کو خوف وہراس میں مبتلا کر دیا ہے۔ کیوں کہ علاقائی حکام حالات سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے کہ جب ایک بھائی، بیٹا، بھتیجا، بھانجا وغیرہ شہید ہو جاتا ہے، تو ان کی جگہ دس سے بھی زیادہ مجاہد تیار ہو جاتے ہیں۔ افغانوں میں اسلامی انتقام کا جذبہ بہت ہی زیادہ ہے، کوئی مانے یا نہ مانے، گذشتہ ۱۹ سال گواہ ہیں، کہ اس دوران افغان قوم نے کتنی قربانیاں دی ہیں۔

کابل انتظامیہ کی اینٹلی جنس سروس ایجنسی سے منسلک نیویارک اور واشنگٹن کے محافظ کمانڈو (علاقائی سطح پر ان کے مختلف نام ہیں مثلا صفریک، صفردو، صفرسہ، ضربتی، سپیشل فورس، کمپائن وغیرہ) رات کے وقت رہائی پانے والے قیدیوں کے گھروں پر چھاپے مارتے ہیں۔ ان کے مکانوں کو فضائی حملوں کا نشانہ بناتے ہیں۔ انہیں حراست میں لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے بچوں اور خواتین پر رحم نہیں کرتے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ حال ہی میں رہا شدہ چند افراد کے گھروں پر نیویارک اور واشنگٹن کے محافظوں نے چھاپے مارے، رہائی پانے والے قیدیوں کو ان کے خاندانوں کے ہمراہ نہایت بے دردی سے شہید کیا۔

کابل انتظامیہ کے کمانڈوز نے 16 اور 17 اکتوبر کی درمیانی شب صوبہ فراہ کے صدر مقام فراہ شہر کے کورہ گز کے علاقے خم زیارت میں حال ہی میں پل چرخی جیل سے رہائی پانے والے قیدی محمد قاسم ولد محمد عیسی کے گھر چھاپہ مار کر محمد قاسم کو ان کی چھوٹی بیٹی اور 3 رشتہ داروں کے ہمراہ موقع پر شہید جب کہ 2 افراد کو زخمی کیا۔ حملے کے ایک گھنٹے بعد جب لوگ شہداء کے اجساد اٹھانے آئے، تو ان پر بمباری کی گئی، جس میں مزید خواتین اور بچوں سمیت 20 افراد شہید اور زخمی ہوئے۔ اسی طرح بعد میں پل چرخی جیل سے رہا شدہ قیدی محمد اسماعیل ولد ابراہیم کے گھر پر ہلہ بول دیا، انہیں 10 افراد سمیت گرفتار کر لیا۔

کابل فورسز نے چھاپوں کے دوران 18 اور 19 اکتوبر کی درمیانی شب صوبہ بغلان ضلع دوشی کے کیلہ گی کے علاقے میں جیل سے رہائی پانے والے قیدی روح اللہ کے مکان پر شب خون مارتے ہوئے روح اللہ، ان کے بڑے بیٹے احسان اللہ اور ایک مہمان کو شہید کر دیا۔ شہادت کے بعد ان کے اجساد بھی ساتھ لے گئے۔

سپیشل فورسز کے کارندوں نے 5 اور 6 اگست کی درمیانی شب صوبہ پروان کے صدر مقام چاریکار شہر کے قلعہ سعد اللہ کے علاقے میں جیل سے رہا ہونے والے

قیدی محبوب شاہ ولد تیمور شاہ پر اس وقت چھاپہ مارا اور پر تشدد کارروائی کی جب وہ اپنے ایک رشتہ کے ہاں مہمان تھے، چھاپہ میں گھر کے میزبان اوران کا بیٹا زخمی، جبکہ ایک بچی شہید ہو گئی۔ محبوب شاہ پر تشدد کیا گیا، جنہیں زخمی حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا، لیکن وہ شدید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے خالق حقیقی سے جاملے۔

ظلم وبربریت کے ختم نہ ہونے والی داستان میں نیویارک اور واشنگٹن کے محافظوں نے صوبہ کاپیسا ضلع نجراب کے تپہ احمد بیگ کے علاقے میں 22 جون کو تمام انسانی اور اسلامی قوانین کے خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک زخمی قیدی مجاہد کو علاج کی بجائے نہایت وحشت سے شہید کردیا۔

کابل انتظامیہ کا ایک اور خوفناک ستم یہ ہے کہ جنگ میں زخمی ہونے والے مجاہدین کو بے دردی سے شہید کیا جاتا ہے اور ان کی لاشوں کو ٹینکوں سے گھسیٹا یا درختوں سے لٹکایا جاتا ہے۔ جن کی تصاویر اور خبریں سوشل میڈیا پر بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ انسانی حقوق کی تنظیموں میں سے کسی بھی تنظیم یانام نہاد غیر جانبدار میڈیا نے اس کے بارے میں کوئی آواز نہیں اٹھائی۔

صدارتی محل کے اندر کچھ مخصوص جاسوس امن کے شدید مخالف ہیں اور وہ غیر ملکی قبضے اور جنگ کے تسلسل کے حامی ہیں۔ وہ اب بھی امن عمل کو سبوتاژ کرنے کے لئے اپنا مذموم کردار برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کابل انتظامیہ کا روزمرہ مشغلہ صرف کرپشن، ظلم، چوری، انتشار اور امن عمل کو سبوتاژ کرنا ہے۔ امن عمل کو سبوتاژ کرنے والا یہ مخصوص حلقہ اگرچہ ایوان صدر کے اندر محدود افراد پر مشتمل ہے جن کا ماضی غیر ملکیوں کی جاسوسی اور افغانستان اور اسلام کو تباہ کرنے میں گزرا ہے۔ جو بین الاقوامی انسانی حقوق کی پاسداری کے دعویدار بھی ہیں، اس کے باوجود قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی بدسلوک روا رکھا جاتا ہے اور قیدیوں کی زندگی کو ان کے مظالم اور منظم وحشت سے خطرات درپیش ہیں۔

جب طالبان نے داعش کے خوارج گروہ کا ملک کے مشرقی اور شمالی صوبوں سے صفایا کروایا، تو کابل انتظامیہ کی اینٹلی جنس ایجنسی نے داعش کے جنگجوؤں کو ہیلی کاپٹروں کے ذریعے کابل پہنچایا۔ یہاں خوارج کے عہدیداروں کو پر تعش زندگی میسر کردی گئی ہے اور وقتا فوقتا انہیں آلہ کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ جن کی تازہ ترین مثالیں کابل شہر میں 27 اکتوبر کو کوثر نامی تعلیمی مرکز، 2 نومبر کابل یونیورسٹی پر حملے ہیں۔ اسی طرح 21 نومبر کو کابل شہر میں دوسوزوکی گاڑیوں میں درجنوں میزائل لاد کر شہر کے اندر پہنچائے گئے اور انہیں فائر کیا گیا، جس سے عوام کو جانی ومالی نقصانات کا سامنا ہوا اور تینوں واقعات کی ذمہ داری داعش کے خوارج نے قبول کی۔

یہاں تک کہ کابل شہر میں رہائش پذیر جیلوں سے رہائی پانے والے قیدی بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں چند روز قبل امارت اسلامیہ کے سابق ترجمان ڈاکٹر محمد حنیف شہید کے بھائی کئی سال تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد رہا ہوئے، جنہیں کابل شہر کے محفوظ ترین علاقے میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اسی طرح ایک اور مجاہد جن کا تعلق صوبہ خوست سے تھا۔ رہائی کے بعد خوست مرکز کے قریب رہاشدہ قیدی نے گھر کے قریب دکان کھولی تھی، جنہیں کمپائن کے درندوں نے اٹھا کر ان پر تشدد کیا اور نہایت درندگی سے شہید کردیا۔

حال ہی میں طالبان اینٹلی جنس ذرائع کو خفیہ اطلاع ملی ہے کہ پل چرخی جیل میں قید داعش گروہ کے غنڈوں کو مسلح کیا جارہا ہے اور اس سلسلے میں کافی اسلحہ ک جیل کے اندر پہنچایا گیا ہے۔ تاکہ نام نہاد داعش کے قیدیوں کو امارت اسلامیہ کے زیر حراست افراد کے خلاف استعمال کریں۔ طالبان نے اس حوالے سے ایک بیان بھی جاری کیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ "امارت اسلامیہ کے خفیہ ادارے کی اطلاع ہے کہ داعش ملیشیا کے چند کارندے کابل انتظامیہ کی اینٹلی جنس ایجنسی کے تعاون اور رہنمائی سے پل چرخی جیل کے حراستی بلاک میں امارت اسلامیہ سے وابستہ قیدیوں پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس گھناؤنے مقصد کے لیے خاص ہتھیار جیل پہنچائے گئے ہیں اور دیگر لوازمات بھی انہیں مہیا کیے جارہے ہیں۔

اس حوالے سے امارت اسلامیہ سنگین انداز میں تنبیہ دیتی ہے کہ اگر جیل میں ہمارے قیدی کو کسی کی جانب سے نقصان پہنچا، اس کی ذمہ داری کابل انتظامیہ پر ہوگی۔

ماضی میں بھی ہمیں رپورٹیں ملی تھی کہ کابل انتظامیہ کی اینٹلی جنس ایجنسی اپنے ناجائز مقاصد کے حصول کی خاطر داعش ملیشیا کو بار بار استعمال کررہی ہے۔ جلال آباد جیل پر حملہ، کابل یونیورسٹی پر حالیہ حملہ، کوثر تعلیمی مرکز پر حملہ، بعض علماء، ماہرین، صحافیوں اور سماجی کارکنوں پر حملے اسی سازش کا حصہ ہیں۔

امارت اسلامیہ کو اپنے قیدیوں کے تحفظ پر شدید تشویش ہے، اس بارے میں تمام ذمہ دار فریق کو آگاہ رہنا چاہیے"۔

یہ پہلا موقع نہیں، حکومت کے ظالم فوجیوں نے منظم انداز میں جیلوں میں اس طرح کے مظالم انجام دیتے رہے ہیں۔ بلکہ اس سے پہلے بھی انہوں نے سینکڑوں بار مختلف جیلوں میں مختلف بہانوں سے مظلوم قیدیوں پر ایسے مظالم ڈھائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے مظالم، جنگی جرائم، جنگی قوانین کی خلاف ورزی اور سیاسی پروپیگنڈے کے ذریعے کابل حکام ملک کے موجودہ حالات کو مزید خون ریزی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

حالیہ امریکی انتخابات کے متعلق امارت اسلامیہ کا اعلامیہ

2020/11/10

حالیہ امریکی انتخابات امریکا کا اندرونی معاملہ ہے۔امارت اسلامیہ اور امریکا کے درمیان دوحہ معاہدہ جنگ کے خاتمے، امن کے قیام اور بہتر مستقبل کی نوید ہے۔اسی حوالے سے امارت اسلامیہ امریکا کی نئی حکومت کو بھی یاد دہانی کراتی ہے کہ دوحہ معاہدہ دونوں ممالک کے درمیان تنازعہ کے خاتمے کی معقول دستاویز اور بہترین راستہ ہے۔معاہدے کی بنیادی نِکات افغانستان سے تمام بیرونی افواج کا انخلا، افغانستان کے داخلی معاملات میں مداخلت سے اجتناب اور افغانستان کی سرزمین امریکا کے خلاف استعمال نہ ہونے کی یقین دہانی جیسے اہم اور بنیادی باتیں دونوں ممالک کے وسیع تر مفاد میں ہیں۔ہم نہ صرف اس معاہدے کے جملہ نکات سے متفق اور اسے عملی بنانے کے پابند ہیں بلکہ اسے افغانستان کے مسئلے کا واحد حل سمجھتے ہیں، اور افغانستان کا داخلی مسئلہ بھی ڈائیلاگ اور مذاکرات کے ذریعے حل کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔امارتِ اسلامیہ امریکا سمیت پوری دنیا کے ساتھ بہتر تعلقات کی خواہش مند ہے۔

امریکا کے نومنتخب صدر کو ان تمام عناصر پر کڑی نگاہ رکھنی چاہیے جو ہر صورت میں جنگ جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ان کا مقصد مستقبل میں بھی امریکا کو جنگوں کی دلدل میں جھونک کر اپنے ذاتی مقاصد حاصل کرنا ہے۔

امارت اسلامیہ افغانستان

1442/3/24ھ ق

2020/11/10ء

1399/8/20ھ ش

اسلامی حکومت کا ہدف، اسلامی ملک کی تعریف اور شرائط

ابو ظہیر شمس

امت کے ثقہ اور بااعتماد علماء کرام نے اسلامی ملک کے اصول ومبادیات پر عالمانہ اور تحقیقاتی مضامین کے ضمن میں دین اور سیاست کے درمیان تفریق کی سختی سے تردید کی ہے اور دین اور سیاست کے درمیان شریک امتزاج کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اسلامی شریعت کے احکامات کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام اور سیاست لازم وملزوم ہیں اور کبھی جدا نہ ہونے والے عناصر ہیں۔ یعنی ہماری شریعت اسلام اور سیاست کو تقسیم کرنے کے بجائے وحدت کا علمبردار ہے۔ اس کے لیے مسلمانوں سے ایک متعین حاکم سیاسی وفد کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ معروف محقق علامہ اسد صاحب نے مذکورہ نکتے کے بارے میں مندرجہ ذیل دلیل سے جواب دیا ہے:

قرآن عظیم الشان نے اپنے پیغام کا آغاز مندرجہ ذیل نظریے سے کیا ہے "انسانی زندگی کے تمام پہلو وحی الٰہی کے تابع ہیں اور اپنی ایک اخلاقی قدر قیمت رکھتے ہیں" یہی وجہ ہے کہ اسلام روحانی ہدایات اور احکامات اور اخلاقی ارشادات تک محدود نہیں بلکہ انسانیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ ایک فرد کا انفرادی رویہ ہو یا ایک سماج کی اجتماعی، اقتصادی یا سیاسی روایات۔ اسلام چاہتا ہے انسانوں کی دینی، اخلاقی، سماجی اور سیاسی زندگی ایک دوسرے سے منسلک ہو۔ اسی طرح دینی اور دنیاوی معاملات کے درمیان تفریق کی بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ دین اور سیاست کا یکجا ہونا اسلام کی ایک انفرادی خصوصیت ہے۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلام کا مخاطب صرف ایک فرد نہیں بلکہ افراد سے بنا ایک معاشرہ بھی اس میں شامل ہے۔ یعنی اسلام ایک فرد کو سماجی ماحول میں زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے لیے اسلام نے معاشرے کے لیے ایک فرد کی دینی اور روحانی تربیت اور باہمی تعلقات کی مضبوطی کے لیے واضح احکامات دیے ہیں۔ تاکہ ایک فرد معاشرے کے اندر رہتے ہوئے ہر قسم کے فساد اور برائیوں سے محفوظ رہے۔ قرآن حکیم کے مطابق اسلامی احکام کا خلاصہ صرف سماج کے افراد کے لیے اخلاقی طرز العمل بتانا نہیں بلکہ ان کی اجتماعی زندگی کے لیے ان کو عدل وانصاف پر مبنی ایک مثالی نمونۂ حکومت بھی مہیا کرنا ہے۔ جہاں افراد کے اجتماعی تعلقات ایسے شکل میں قائم ہوں جس میں ہر فرد اپنی شخصیت کی تعمیر اور زندگی گزارنے کے لیے کم سے کم مشکلات کا شکار ہو۔ اسلام سماج کے افراد کی دینی اور روحانی تربیت کے ساتھ ان کے لیے ایسے ماحول فراہم کرنے کا حکم دیتا ہے جہاں ان کے جسمانی اور مادی ضروریات کی تکمیل کی ضمانت موجود ہو۔ تاکہ سماج کے افراد مطمئن اور سکون سے اسلامی فضاء میں زندگی گزار سکیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام اپنے ماننے والوں کے لیے ایک اجتماعی نظام کی تشکیل چاہتا ہے۔ جس میں سماجی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے مسلمان خود کفیل ہوں گے۔ اس کے لیے مسلمانوں کو دینیات اور اخلاقیات کے دائرے میں ایک متعین سیاسی طرز العمل اختیار کرنا ہے۔ سیاسی امت کی تشکیل کے لیے ایک عملی لائحہ جس میں انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے لیے ایک خاکہ پیش کرنا بھی امت کی ذمہ داری ہے۔

اس سلسلے میں علماء حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ سے استدلال کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے 23 سالہ دور میں صرف افراد کی روحانی اور اخلاقی تربیت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہیں اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے بھی ایک روشن اور واضح لائحہ عمل دیا اور انہیں عدل وانصاف پر مبنی ایک مکمل دستور بھی دیا۔

علماء کی نظر میں اسلامی حکومت کی تشکیل میں اسلامی قوانین کا ایک بڑا حصہ جو اجتماعی زندگی گزارنے سے متعلق ہے کا نفاذ اور ان پر عمل پیرا ہونا صرف اس صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب بہت زیادہ لوگ متحد اور ایک ساتھ اجتماعی زندگی گزار رہے ہوں۔ ایک شخص چاہے جتنا بھی خود کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے لیکن اگر اس کا ماحول اور وہ معاشرہ جس میں وہ زندگی گزار رہا ہے وہ زیادہ دیر تک خود کو اس قالب میں رکھنے سے قاصر ہوگا۔ لیکن اگر پورا سماج اسلامی اسوہ کی پیروی کر رہا ہو پھر نتیجہ برعکس ہوگا۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اجتماعی طور پر حالات بہتر بنانے کی کوشش

کی جائے۔ تاکہ افراد باہمی تعلقات اور ہم آہنگی کے ساتھ آزادی، خود مختاری اور عزت و وقار کی زندگی گزار سکیں۔

ہر معاشرے میں ایک فرد یا چند افراد کی بغاوت سماجی نظام کے درہم برہم کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ باغی گروہوں کی موجودگی ایک مثالی معاشرے کے لوگوں کی بھی زندگی اجیرن بنا دیتی ہے۔ تو علماء کے بقول: یہ بات ضروری ہے کہ ایک سیاسی قوت عوام کی جانب سے قانون کے نفاذ اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے موجود رہے اور اجتماعی معاملات کی تنظیم کے لیے ایک حکومت تشکیل دے جو "امر و نہی اور قانون کے نفاذ" جیسے اختیارات رکھتے ہوں۔ یعنی حقیقی اسلامی زندگی کے لیے اسلامی حکومت کی تشکیل ضروری ہے۔

اسلامی احکامات کے مطابق اسلامی حکومت محض سیاسی ضرورت نہیں بلکہ ایک دینی اور شرعی فریضہ ہے۔ کیوں کہ اسلامی معاشرے میں بے شمار مصالح کی تکمیل کے علاوہ اسلامی شریعت کے متعدد قوانین و احکام کا اجراء اور نفاذ کا انحصار بھی حکومت پر موقوف ہے۔ اس لیے اسلامی حکومت کا قیام امت کا اجتماعی نصب العین اور ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔

اسلامی ملک کی تعریف، شرائط اور مقاصد:

سوال یہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ فلاں ملک اسلامی بن گیا یا اسلامی معیار پر پورا اترتا ہے؟ یعنی اسلامی ملک کی تعریف اور پھر اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

کیا ایک ملک جس میں واضح اکثریت مسلمانوں کی ہو، ملک کا حکمران بھی مسلمان ہو اور سیاسی لحاظ سے آزاد اور خود مختار ہو، یا اسے حقیقی اسلامی ملک کہا جا سکتا ہے؟

اسلامی فقہ اور علماء کی تشریحات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ملک کے لیے علماء نے "دار لسلام" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ امت کے ائمہ میں سب سے پہلے یہ اصطلاح حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور بعد میں دوسرے آئمہ کرام نے استعمال کی تھی۔ تمام ائمہ نے متفقہ طور پر دار السلام کی شرائط اور حدود نہایت شرح اور بسط سے بیان کی ہیں۔ یعنی دار السلام اس علاقے اور ملک کو کہتے ہیں جہاں:

1۔ مسلمان آزادی کے ساتھ رہ رہے ہوں، وہاں انہیں اسلامی احکام پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کا موقع میسر ہو اور اسلامی شعائر قائم اور محفوظ ہوں۔

2۔ وہ ملک یا علاقہ جہاں اسلامی نظریہ اعلیٰ و برتر حیثیت کا حامل ہو۔

3۔ وہ علاقہ یا ملک جہاں مسلمان سیاسی لحاظ سے آزاد اور خود مختار حیثیت کے مالک ہوں۔

لیکن صورتحال یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد اغیار کے ہاتھوں "اسلامی خلافت" کے ختم ہونے کے ساتھ پوری اسلامی جغرافیہ اور اسلامی دنیا قوم، زبان اور نسل کی بنیاد پر تقسیم کر دی گئی۔ جس کے بعد اسلامی دنیا ایک نئے بحران اور نئے حالات سے دوچار ہوئی۔ جس کی وجہ سے آج اکثریت کے لیے " دار السلام، دار لحرب اور دار الصلح" جیسی اصطلاحات نئے زمینی حقائق کے لیے اجنبی نظر آتی ہیں۔ کیوں کہ اسلامی دنیا کے اکثر ممالک میں سیکولر اور لادین افراد کی حکومت ہے۔ دار السلام کی جگہ اب " ریاست، حکومت اور الدولۃ" نے لے لی ہے۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے علماء نے بھی اسلامی ملک کی تعریف کی ضرورت محسوس کی۔ انہوں نے اسلام اور سیاست کے درمیان موجود تعلق واضح کرنے بعد اسلامی ملک کی ایک نئی تعریف بیان کی۔ معروف اسلامی مورخ محقق محمد اسد صاحب لکھتے ہیں۔

A truly islmic state that is a state based (in distinction from all other existing political groupmnts)

ا۔ صرف وہ ملک اسلامی کہلا سکتا ہے جو نسل، زبان، علاقے کی بجائے زندگی کے لیے قرآن وسنت کے پیش کردہ نظریے پر استوار ہو۔

۲۔ وہ ملک جہاں قرآن وسنت کے احکام قوم کی اجتماعی زندگی میں جاری اور نافذ ہوں۔

۳۔ وہ ملک اسلامی ہے جہاں کے آئین میں قرآن وسنت کے سیاسی اصول مکمل طور پر شامل ہوں۔

اس تعریف کی رو سے کوئی بھی ملک صرف اس وجہ سے اسلامی ملک نہیں کہلا سکتا کہ اس میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے خواہ اس کے تمام شہری مسلمان کیوں نہ ہوں۔ کیوں کہ اسلامی ملک کے لیے ایک اہم شرط یہ ہے کہ اس کی حکمرانی کے تمام قوانین قرآن وسنت کے مطابق ہوں۔ اور یہ پورے ملک میں نافذ بھی ہوں۔

ا۔ اس ملک میں اسلامی شریعت کو "قانون اعلیٰ" کا درجہ حاصل ہو اور ملک کے لیے نئے قوانین بھی اسی شریعت کی روشنی میں بنائے جائیں۔ دین سے منافی قوانین مسترد سمجھے جائیں گے۔

۲۔ اس ملک کے سیاسی امور کی ڈوریں صرف مسلمان حکمران کے ہاتھ میں ہوں اور مستقبل میں بھی صرف مسلمان شہری کو حکمرانی کا حق دیا جائے۔

۳۔ کسی بھی اسلامی ملک کے دستور کا ایک "مابہ الامتیاز" نکتہ یہ ہے کہ ملک کا نظم ونسق ایک شوریٰ کے ذریعے چلایا جائے۔ اسلامی حکومت کی تشکیل عام لوگوں کی خوشی اور رضا کو دیکھ کر کی جائے۔ اگر کوئی عام شہریوں کی ذہن سازی کے بغیر ان کی خواہش کے برخلاف ان پر زبردستی حاکم بنے اور ظلم و وحشت کے ذریعے اپنی حکمرانی کی بنیادیں مضبوط کر رہا ہو تو وہ بھی اسلامی نہیں کہلا سکتا۔

۴۔ اسلامی ملک کے حکمران سیاسی اور حقوقی میدان میں عدل وانصاف کے داعی ہوں۔

۵۔ اس ملک رسا کوئی شاہی خاندان یا خصوصی مراعات رکھنے والے خاندان یا گھرانہ موجود نہ ہو۔

۶۔ اس ملک میں کوئی محروم گروہ یا خاندان موجود نہ ہو۔

مدینہ منورہ کے اسلامی حکومت کی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے علماء لکھتے ہیں:

خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ، بنوعباس اور دوسری خلافتوں میں اسلامی قوانین، حدود اور تعزیرات کے نافذ ہونے کے باوجود اسے خلافت راشدہ کی طرح "منہاج النبوۃ" کا نمونہ نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ وہاں اسلامی احکام کے نفاذ کے ساتھ ملوکیت اور شاہی عنصر بھی غالب نظر آتا ہے۔ یہ واضح کر دینا چاہیے کہ جس طرح اسلام میں مغربی جمہوریت کے لیے کوئی جگہ نہیں بالکل اسی طرح ملوکیت اور شاہی رجیم کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ انفرادی بادشاہت اسلامی اصول اور مبادیات سے متصادم ہے۔

ایک صحیح اسلامی حکومت کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دور اور پھر اس کے بعد خلافت راشدہ کا بابرکت دور ہے۔ جب ہم اسلامی حاکمیت کی بات کرتے ہیں تو ہمارے سامنے معیار اور اسوہ حسنہ نبوی ریاست اور خلافت راشدہ ہوگی۔ جہاں رنگ، نسل اور زبان کی عصبیت کے بجائے سب کو برابر حقوق حاصل تھے۔ وہاں ہمیں کوئی خصوصی مراعات رکھنے والا گروہ نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واولاد کو کوئی خصوصی مراعات حاصل نہیں تھے۔ اس وقت قانون کی نظر میں حکمران اور عوام کے حقوق اور ذمہ داریاں مساوی تھیں۔ معاشی اور گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے ہر شخص کی حیثیت برابر تھی۔ مختصر یہ کہ خلافت راشدہ ہر لحاظ سے ایک اسلامی حکومت کا نمونہ تھا۔ اس میں قرآن وسنت کے احکامات پوری طرح نافذ تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد دوسری خلافتوں اور نظام حکومتوں میں اس درجہ اعلیٰ معیار کا تقویٰ اور جامع شرعی قوانین نافذ نہیں تھے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو اسلامی نظام کے احیاء کے لیے ایک اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ "حاکیمت الہیٰ علی منہاج النبوۃ" کے طرز پر ہی قائم کریں۔ کیوں کہ وہی اسلامی حکومت کہلائی جاسکتی ہے جو سب سے پہلے اپنی جان پر الہی قوانین نافذ کرے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات کو قوانین کے بنیادی ماخذ کے طور پر تسلیم کر کے حدود نافذ کرے۔ حکومت کی غرض اور مقصد اللہ کے احکام کا اجراء اور اللہ کے کتاب کی روشنی میں برائیوں کا خاتمہ اور نیکی وبھلائی کے کاموں کا ارتقاء اور ترقی ہے۔

اسلامی حکومت ہرگز اقتدار اعلیٰ کی مالک نہیں بلکہ یہ منصب اللہ تعالیٰ کی نیابت اور امانت ہے اور خلافت کے معنیٰ ہی نائب کے ہیں۔

اسلامی حکومت کے مقاصد:

مجموعی طور پر اسلامی حکومت کا ہدف اور مقصد عدل وانصاف پر مبنی ایک صالح معاشرے کی تشکیل ہے۔ جس میں مسلمان شہریوں کے اخلاقی اور روحانی ارتقاء اور ان کی فطری صلاحیتوں کے نشونما کے لیے معاونت ہو۔ علماء کے نزدیک حقیقت میں اسلامی حکومت کی تشکیل "مقصود بالذات" نہیں بلکہ عدل وانصاف اور صالح نظام کا قیام اور استحکام اور اس کا تحفظ اور بقا اعلیٰ وارفع مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی حکومت ہماری دینی، اخلاقی اور اجتماعی ضرورت بھی ہے۔ جس کو پورا کرنا امت کے ذمے لازم قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی حکومت کے اساسی مقاصد اور ذمہ داری یہ ہے کہ ملک ومعاشرے میں شرعی احکام کا اجراء اور نفاذ کو اولیت دی جائے جس کے ذریعے امت اپنے وجود کو تادیر قائم رکھ سکتی ہے۔

اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان باہمی اتحاد اور تعاون کے لیے سہولیات فراہم کی جائیں۔ تاکہ اسلامی معاشرہ اور مسلمان قوم روحانی اور اخلاقی لحاظ سے ترقی کرے۔ اور اس کے افراد عدل، مساوات اور حق کے داعی اور طرفدار بنیں اور باطل قوتوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے رہیں۔ یعنی اسلامی حکومت کا قیام ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جس کے ذریعے زمین سے ظلم و وحشت کا خاتمہ اور عدل وانصاف پر مبنی نظام کا احیاء ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری نبھانا اسلامی ریاست کی بنیادی اساس ہے۔ اس کے بغیر اسلامی ریاست کے نام پر حکومت کا جواز قائم نہیں رہ سکتا۔

اسلامی معیشت، اہمیت اور مستقبل کی ضروریات

مریم منصور

اسلامی طریقہ یہ ہے کہ معاشرے کا ہر فرد سود، جوا اور دیگر محرمات سے اجتناب کرے۔ جہاں پر انفرادی سطح پر معاشرہ کے افراد کے لیے بچنا ممکن نہ ہو وہاں حکومت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنی سطوت و قوت سے کام لے کر قوم کو عمل در آمد کرائے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ساری عمر نماز نہیں پڑھتا اور عذر یہ پیش کرتا ہے کہ حکومتِ وقت "اقامتِ صلوۃ کا نظام" نہیں بناتی، اس لیے وہ بھی نماز کی ادائیگی کر نہیں پاتا۔ یا کوئی شخص پوری زندگی زکوۃ نہیں دیتا اور عذر یہ پیش کرتا ہے کہ حکومت زکوۃ کی ادائیگی کا نظام کیوں بناتی؟

تو جس طرح اس قسم کے اعذار قابل قبول نہیں ہیں، بالکل اسی طرح اسلامی معیشت کے سلسلہ میں اسلامی احکام پر عملدرآمد پر بھی اس طرح کے اعذار قبول نہیں کیے جاتے کہ حکومتِ وقت سود، جوا اور دیگر محرمات کے خاتمہ کے لیے نظام کیوں نہیں بناتی؟ اس بنیاد پر وہ بھی سود سے باز نہیں آتا۔ اس وقت خود اسلامی دنیا میں یہ تصور عام ہے کہ آج کل اسلام کے مالی اور معاشی نظام پر عمل ناممکن ہے نعوذ باللہ۔ اس لیے علماء پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ قوم وملت کو واضح انداز میں سمجھائیں اور عمل کر کے ثابت کریں کہ ایسا ہونا ناممکن تو کجا مشکل بھی نہیں ہے۔ جس طرح بعض علماء نے ثابت بھی کیا ہے اور ان کا اسلامی احکام پر مبنی طریقہ کار دنیا کے متعدد ممالک نے قبول بھی کیا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ اسلام کے معاشی احکام قابل عمل ہو سکتے ہیں۔

مگر یہ کارنامہ مکمل معاشی اور اقتصادی نظام میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے مختلف اسلامی ممالک میں بہت سارے ایسے متاثرہ افراد موجود ہیں جن کے دل ودماغ میں ابھی تک یہ تاثر موجود ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی احکام کی تعمیل ممکن نہیں ہے۔ بعض اسلامی سزائیں انہیں خوف میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ جبکہ بعض حضرات کو نجی قوانین پر عمل مشکل لگتا ہے۔ بعض کا اندازہ یہ ہے کہ دستوری اور حقوقی ہدایات پر عمل مشکل ہے۔ معاذاللہ۔ اور بعض کو جہاد اور جنگ کے احکام بڑے سخت لگتے ہیں۔ یہی کیفیت معاشی اور اقتصادی احکام کے بارے میں بھی موجود ہے۔ اس لیے ان غلط فہمیوں کے ازالہ اور تدارک اور ان جیسے افراد کی ذہن سازی کے لیے موثر اقدامات کی ضرورت ہے۔ جب تک یہ اقدامات نہیں اٹھائے جائیں گے اس وقت تک مغرب کے مستعمرہ استحصالی اور ظالمانہ نظام سے نجات اور گلو خلاصی ممکن نہیں ہے۔ دنیا میں اس وقت جو نظام رائج ہے وہ مغرب کے مستعمرہ اور استحصالی نظام کے باقیاتِ سیئات پر مشتمل ہے۔ اس لیے نتائج بھی اس سے وہی برآمد ہونگے جو دو سو سال پہلے نکلتے تھے۔

علماء اور ماہرین کا نظریہ: اسلامی مالیاتی نظام کے نفاذ کے لیے جن معاملات کا خصوصی مطالعہ ضروری ہے یا جن معاملات کی فنی تدوین اور علمی تشکیل پر علماء کا اصرار ہے ان میں سب سے اہم مسئلہ بینکاری اور تکافل کا ہے۔ جن دونوں پر خاصا علمی کام بھی ہوا ہے۔

لیکن بہت سارے موضوعات پر ابھی کام کرنا باقی ہے، جیسا کہ سود کے بغیر معاشی نظام کا تجربہ، ناقدانہ علمی مطالعہ، مضاربت کی عملی شکل کی کیفیت، زکاۃ اور اوقاف کی اقتصادی اہمیت کا تجربہ اور مطالعہ جن پر اسی طرح فنی اور علمی انداز میں توجہ نہیں ہوئی ہے جس طرح جدید دور میں اداروں کو موثر اور فعال بننے کے لیے ضروری ہے۔

اگرچہ اسلامی معاشی نظام کی تشکیل اور تدوین کے بارے میں گزشتہ سو سال سے بہت سارا کام ہو چکا ہے اور کافی ترقی بھی ہوئی ہے مگر پھر بھی بہت کچھ ابھی کرنے کو باقی ہے، جو کچھ باقی ہیں وہ آسان بھی نہیں ہیں۔ ان پر کام بڑا مشکل اور گھمبیر ہے۔ جو بصیرت کے ساتھ اجتماعی جدوجہد کا متقاضی ہے۔

مغرب کا اقتصادی نظام کئی صدیوں کی پیہم علمی اور فکری جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ جن میں امریکا اور یورپ کی بڑی بڑی حکومتوں کے ساتھ عظیم یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں نے بھی بڑا حصہ لیا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں اقتصادی اداروں نے گزشتہ چار سو سال میں جو تجربے کیے تھے ان سب کے گہرے اور فنی مطالعہ کے بعد ان سے نتائج مستنبط کر لیے گئے، پھر انہیں ترتیب دی گئی اور ترتیب دینے کے بعد دوبارہ ان کو عملی تجربات پر منطبق کیا گیا۔ اس طرح کی مسلسل کوششوں سے تب جا کر مغربی معیشت مرتب ہوئی ہے۔

بہر کیف اسلامی معیشت بیک وقت دو اطراف سے بہرہ ور ہے۔ جہاں تک اس کی نظریاتی اور معیاری جہت ہے تو وہ مسلمہ اور متفق علیہ ہے۔ وہ طے ہو گئی ہے۔ قرآن کریم، سنتِ مطہرہ اور فقہاء اسلام کی وسیع علمی تحقیقات میں وہ مکمل موجود

ہے، مگر جہاں تک اس کی عملی شکل، اس کے تجربہ کا نتیجہ اور موجودہ دور میں اس کی تطبیق کا تعلق ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ جدید دور کے تجرباتی قواعد، استدلال اور موجودہ اسالیب اور وسائل کو بروئے لایا جائے۔ اور یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب یہ تجربات والی تحقیق او قاف میں بھی کی جائے۔ اور حج جیسے عظیم فریضہ پر بھی اسی جانب سے توجہ دی جائے۔ جس طرح ملائیشیا کے "ٹیبونگ حاجی" سے موسوم مشہور ادارے میں اس بارے میں کچھ کام ہوا ہے اور اس کے کچھ مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔ اس لیے اب دیگر اسلامی ممالک کو بھی اس تجربہ سے استفادہ کرنا چاہیے۔ لیکن وہ اس کے لیے نظام کو کیسے تشکیل دیں؟ تو یہ وہ بات ہے جو محض تجرباتی حقائق اور خالص معلومات سے تعلق رکھتی ہے۔

یہ مرحلہ اس وقت سر کیا جاسکتا ہے جب ایسے اہل علم موجود ہو جن میں اس نظام کی تشکیل کی عملی صلاحیت اور تجربہ کی اہلیت ہو یعنی جب تک ایسے لوگ بروئے کار نہ لائے گئے جائیں جو اسلامی فقہی ذخائر پر مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ مغرب کے معاشی نظام کی ناقدانہ واقفیت بھی رکھتے ہوں، اس وقت تک یہ کاز تشنہ تکمیل ہی ہوگا۔

بعض علمائے وقت کا اندازہ یہ ہے کہ اس وقت اسلامی دنیا ایک اضطراری دور سے گزر رہی ہے۔ ایسی حالت میں کچھ ایسے افعال قابل برداشت ہو سکتے ہیں جو بظاہر حیلہ معلوم ہوتے ہوں، کیونکہ ان کے بغیر پیش قدمی ناممکن ہے۔ اس مرحلہ میں کچھ ایسے طریقے بھی عملاً نافذ کیے جاسکتے ہیں جن کے لیے فی الحال اسلامی متبادل موجود نہ ہو۔ مگر اس کو صرفِ نظر کرنا معاشی نظام اور تاجر برادری کے لیے کسی صورت ممکن نہ ہو۔ کیونکہ آجکل وہ سب غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اور ان کے تو ظاہر ہیں اکثر معاملات شریعت سے ہم آہنگی نہیں رکھتے۔ پھر انہیں غیر مسلم ممالک کے اسلامی ممالک کے ساتھ بیرونی تجارتی تعلقات بھی ہوتے ہیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ عالمی تجارت میں مسلمانوں کا حصہ محض ۸ فیصد ہے جو مسلم ممالک کا آپس میں چلتا ہے۔ غیر مسلم ممالک کے ساتھ جو تجارت چلتی ہے وہ ۹۲ فیصد ہے۔ متعدد اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کے آپس میں بڑے بڑے تجارتی معاہدات ہوتے ہیں۔ ان سے ادھار لیتے ہیں اور ان اس ادھار میں اپنا قیمتی سرمایہ اور ملک کا عظیم سرمایہ ان کے پاس رھن رکھواتے ہیں۔ اب ان سب کو قلم کی ایک جنبش سے منسوخ اور معطل کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

اسلامی دنیا میں ایسے ممالک بھی ہیں جو اگر اپنی پوری جمع پونجی خرچ بھی کریں تب بھی ان کے ادھار ختم نہیں ہونگے۔ اس کو علماء اضطرار سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس اضطراری حالت کی بنیاد پر وہ بعض چیزوں کو برداشت کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اسلامی معاشی نظام کے بارے میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ فقہ المعاملات کو جدید انداز میں پڑھانے پر توجہ دی جائے۔ یہ کام یونیورسٹیوں اور دینی مدارس دونوں میں کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ ہر اس تعلیمی مرکز میں اس طرز پر تدریس درکار ہے جہاں کسی نہ کسی اعتبار سے فقہ یا معاشیات کی تعلیم ہوتی ہو۔ خصوصا دینی علوم کے شعبوں اور اداروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ معاملات اور مالیات کی فقہ کی جدید طرز کی تدریس کے لیے نظام بنائیں۔ بینکاری، اقتصادیات، تجارت اور دیگر عصری ضروریات کے لیے تدریس کی فضاء ہموار کرنی چاہیے۔ تاکہ وہاں سے فاضل ہونے والے حضرات شریعت سے پوری طرح آگاہ ہوں اور اپنی ماہرانہ واقفیت کو شریعت سے ہم آہنگ کریں۔

علماء کا خیال یہ ہے کہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے سعودیہ میں کوئی نقشہ یا خاکہ ترتیب دیا جائے پھر اس کو مکمل تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ افغانستان لایا جائے۔ اتفاق صرف کلیات اور بنیادوں میں ضروری ہے، جزئیات میں اتفاق کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر ایک اسلامی ملک کے لیے اقتصادی اور معاشی ترجیحات کا تعین بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جب ایک مرتبہ معاشی یا اقتصادی ترجیحات متعین ہو جائیں پھر ان کو دیکھتے ہوئے اسلامی متبادل اور متقارب نظام تیار کرنا نسبتا آسان ہوتا ہے۔ بیرونی ممالک سے آزادی لینا نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ خود کفالتی کا حصول اپنی معاشی خود مختاری کے لیے اساس اور بنیاد ہے۔ اگر خود کفالتی کو بطور پالیسی ترجیحات میں شامل نہ کیا جائے اس وقت تک ان اہداف کا حصول ناممکن ہے۔

اسلامی ممالک کا آپس میں تجارتی تعلقات کو فروغ دینا اور اس میں بڑھوتری لانا بھی اسلامی اقتصادیات کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ وہ اسلامی ممالک جو اسلامی معیشت میں پیش قدمی کے خواہاں ہیں، یا یہ بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں اگر وہ آپس میں تجارتی تعلقات کو اس قدر وسعت دے دیں جس سے وہ ایک دوسرے کے ضروریات کو پورا کر سکیں تو اس سے اسلامی وحدت بھی مستفید ہو سکتی ہے اور اسلامی اقتصاد بھی ترقی کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی ایک دوسرے کے تجربوں سے آسانی کے ساتھ استفادہ بھی کر سکیں گے۔

اب یہ کہ اسلامی اقتصاد اور معیشت کو ترویج دینے کے معیارات اور علامات کیا ہیں؟ تو اس فن کے ماہرین کے نزدیک وہ کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ دولت کی وسیع تقسیم ۲۔ چھوٹی اور داخلی صنعتوں کی حوصلہ افزائی

۳۔ مشارکہ اور مضاربہ یا ان کی نئی بود و باش پر نت نئی طریقوں کی ترویج پر توجہ!

۴۔ تجارت کو فروغ دینا

۵۔ صنعتی ترقی میں واضح پیش قدمی اور مسلسل اضافہ

۶۔ معاشرے کے نادار افراد کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا۔

۷۔ سودی معیشت کا سد باب کرنا

۸۔ اسلامی معیشت میں سرمایہ کاری میں اضافہ کی کوشش۔

۹۔ ذخیرہ اندوزی میں کمی لانا

مولوی نجم الدین سالک رحمہ اللہ کی حیات اور خدمات

اسلام کے مقدس دین کی ابتداء کے ساتھ ہی حق اور باطل کے درمیان عظیم معرکے وجود پذیر ہوئے جو آج تک چلے آرہے ہیں۔ جن میں اس وقت تک لاکھوں بہادر سپوتوں سے غیرت اور بہادری کے علم سربلند رکھے ہیں۔ جنھوں نے اعلاء کلمۃ اللہ کے گلشن کو اپنے خون سے سینچا ہے اور شاداب رکھا ہے۔ اسلام کے حریم کا ہمیشہ مردانہ وار دفاع کیا ہے۔ اپنی جان اور مال کے نذرانے ضرور پیش کیے ہیں، مگر کفر اور مغرور دشمن کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کبھی نہیں کرنے دی۔

ان بہادروں میں سے ایک شیخ الحدیث مولوی نجم الدین سالک رحمہ اللہ بھی تھے جنھوں نے اپنے رب کے ساتھ کیے گئے وعدہ کو سچا کر کے دکھایا۔ آیئے! ایک لمحہ کے لیے اس مردِ جری اور نامور مجاہد کی زندگی، کارناموں اور ذاتی امتیازات پر گفتگو کریں اور ان کی یاد تازہ کر کے ان کے فراق کی پیاس بجھائیں۔

ولادت:

مولوی نجم الدین سالک رحمہ اللہ محترم میاں عظم الدین بابا صاحب کے بیٹے اور مرحوم شیخ گل شیر رحمہ اللہ کے پوتے تھے۔ خواجہ خیل قوم سے تعلق تھا۔ سنہ (۱۹۶۵) کو صوبہ کابل کے ضلع سروبی کے تورغر علاقہ میں ایک دیندار اور مجاہد گھرانے میں آنکھ کھولی۔

سالک رحمہ اللہ کے والد محترم میاں عظم الدین صاحب دین سے گہرا تعلق اور شغف رکھتے تھے اور متقی، نیک سیرت اور تصوف کے چاروں طرق میں مجاز بیعت تھے، اسی لیے انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کو اسلامی علوم سے فیض یاب کرنے کے لیے قابل قدر توجہ کی۔

تعلیم و تعلم:

روسی جارحیت کے وقت اپنے گھرانے کے ساتھ صوبہ خیر پختونخوا ہجرت کی نیت سے منتقل ہوگئے۔ اس وقت ہجرت اور جہاد کا دور دورہ تھا اور موصوف نوخیز جوان تھے۔ اس لیے روسی استعمار کے خلاف پورے اخلاص اور مضبوط عزم کے ساتھ جہاد کیا۔ روس کی شکست کے فورا بعد مولوی نجم الدین سالک نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھاگیں کس لیں، انہیں علم اور جہاد سے بڑا شغف تھا۔ متوسطہ سے لے کر موقوف علیہ تک کے درجات دیار ہجرت میں خیبر پختونخوا میں ہی مختلف مدارس کے اندر بڑی کامیابی کے ساتھ پڑھ لیے۔ دورہ حدیث کے لیے اسلامی علوم کی عظیم درسگاہ جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور وہیں سے ممتاز سند کے ساتھ دستار فضیلت حاصل کی۔

دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ ہی انہوں نے تصوف کے میدان میں خاصی سبقت کر لی اور چاروں سلاسل میں مجاز بیعت بن گئے۔ انہوں نے فراغت کے بعد ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے تدریس شروع کی۔ خیبر پختونخوا کے ضلع ہنگو میں افغان مہاجر کیمپ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ طلبہ کو سبق پڑھانا شروع کیا اور سینکڑوں شاگردوں کو فیض یاب کیا۔

وہ اسلامی علوم کے ہر فن میں بے پناہ مہارت رکھتے تھے۔ اس لیے کچھ عرصہ بعد ہنگو کے ایک مشہور مدرسہ میں جب تدریس کے لیے ایک زبردست، ماہرِ فن اور مسلم استاد کی ضرورت پڑی تو اہل علاقہ کی درخواست پر آپ نے وہاں تدریس شروع کی۔

جہادی سرگرمیاں:

جب سنہ (۱۹۹۶) میں فساد کے خاتمہ کے لیے طالبان کی اسلامی اور ملی تحریک کا قیام عمل میں لایا گیا تو شیخ صاحب ان صف اول کے مجاہدین میں سے تھے جو اس اسلامی اور قومی تحریک کے ہراول دستے میں رہے تھے۔ انہوں نے اپنے تمام شاگردوں اور متعلقین کو اس تحریک میں اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ وہ کابل کی عظیم اور تاریخی کاروائیوں میں شہید ملا بورجان کے شانہ بشانہ رہے۔ ۱۹۹۶ میں جب کابل طالبان کے ہاتھوں فتح ہوا تو اس میں موصوف کا بھی بڑا کردار تھا۔ امارتِ اسلامیہ کے ایک فرمان پر انہیں اسی صوبہ کے ضلع سروبی کے عسکری سربراہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذمہ دار بنا دیئے گئے۔ وہ چونکہ جید عالم دین اور بلند اخلاق کے

مالک تھے اس لیے امارتِ اسلامیہ کی جانب سے امر بالمعروف صوبہ کابل کے شعبہ عسکری ونگ کے سربراہ کے طور پر بھی ان کا تقرر کیا گیا۔

ان کی عادت یہ تھی کہ اپنی ذمہ داری پوری ایمانداری اور اخلاص سے نبھاتے تھے۔ سالک صاحب رحمہ اللہ امارتِ اسلامیہ کے دورِ اقتدار میں نامور اور بہادر تلامذہ بھی رکھتے تھے۔ جن میں ملا عبدالرزاق اور ملا اختر محمد عثمانی رحمہما اللہ بھی شامل تھے-ملا عبدالرزاق اس وقت وزیر داخلہ اور ملا اختر محمد عثمانی قندھار کی مرکزی چھاونی کے رئیس تھے۔

سنہ (۱۹۹۸) میں جب شمالی صوبوں کے اندر دوستم کے ملیشیوں نے بغاوت کے ساتھ وحشت بھی شروع کردی اور امارتِ اسلامیہ نے اپنی عسکری قیادت اور طاقت مکمل وہاں بھیج دی، تب بھی امارتِ اسلامیہ کے حکم پر ایک اعلی عہدیدار اور سپریم کمانڈر کی حیثیت سے اپنے ساتھیوں سمیت غازیوں اور مجاہدین کے اس قافلہ حق میں شامل ہوگئے۔

صوبہ کاپیسا کے ضلع نجراب اور جبل سراج میں خط اول پر رہے۔ موصوف شہید کے ساتھ میرے چچا الحاج ملا عبدالرزاق نقشبندی بھی اس تشکیل میں شامل تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم بھی اگرچہ جنگ کے صف اول میں ہوا کرتے تھے مگر ہمیں خوف وہراس کبھی محسوس نہیں ہوا؛ کیونکہ وہ ہر وقت ہمیں حوصلہ دیتے رہتے۔ میرے چچا کا مزید کہنا ہے کہ ہم جو علاقہ بھی فتح کرتے وہ ہمیں عوام کی جان اور مال کی حفاظت کی بہت تاکید کیا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ دورانِ تلاشی اور کاروائی بھرپور احتیاط کرنا ہوگی۔ خود ان کی عادت یہ تھی کہ طالبان کے خون کے پیاسے دشمنوں کے اموال بھی اپنے استعمال میں نہیں لاتے بلکہ مستحقین تک پہنچاتے تھے۔

مختصر یہ کہ انہوں نے امارتِ اسلامیہ کے پانچ سالہ دورِ اقتدار میں اپنا جہادی فریضہ بڑی خوبی سے سرانجام دیا۔

صلیبی یلغار کے خلاف جہاد:

جب (۲۰۰۱) میں امریکا اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان پر مل کر حملہ کیا تو موصوف امارتِ اسلامیہ کی مکمل پسپائی کے بعد اپنے گھر میں مقیم ہوگئے-کچھ عرصہ بعد جب امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین نے اپنی صفوں کو نئے سرے سے منظم کیا اور جہاد کا سلسلہ ایک دفعہ پھر شروع ہوگیا تو موصوف بھی نئے عزم اور ولولے کے ساتھ اس کاروان میں شامل ہوگئے-

مولوی نجم الدین سالک رحمہ اللہ جس طرح طالبان کی اسلامی اور ملی تحریک کے سابقین اولین میں سے تھے-اسی طرح جارحیت کے ابتدائی لمحات سے آپ نے اپنے محدود ساتھیوں کو منظم کرکے ضلع سروبی میں دشمن پر گوریلا حملے شروع کردیے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد کھلم کھلا بہت سارے علاقوں تک ان کے اثرات پھیلنے لگے۔ ان کی کارروائیوں نے دشمن کی نیندیں اڑادیں اور علاقہ میں دشمن کے لیے ان کا نام ہیبت اور رعب کی علامت بن گیا تھا۔

جیل کی کوٹھڑی تک:

شیخ سالک رحمہ اللہ کی سخت ریکی کی جارہی تھی، تاآنکہ جون ۲۰۱۲ کو صوبہ پکتیا کے ضلع اریوب میں مضبوط جاسوسی کاروائی کے نتیجہ میں اپنے دو مجاہدین ساتھیوں سمیت اس وقت گرفتار ہوگئے جب محاذ سے اپنے گھر کی طرف جارہے تھے۔ گرفتار ہونے کے بعد موصوف گردیز کے وحشی صفت این ڈی ایس کے اہلکاروں کے حوالہ کیے گئے۔ گرفتاری کے بعد بھی ان کے لیے لہجے میں کوئی بزدلی نہیں آئی۔ انہوں نے تفتیش کے دوران دوٹوک الفاظ میں کہا کہ میں طالب ہوں اور امریکا سے اپنے ملک کی آزادی کے لیے جہاد کرتا ہوں اور انہیں قتل کرتا ہوں!

اس کے بعد انہیں کابل منتقل کیا گیا۔ جہاں انہیں این ڈی ایس کے مرکزی اہلکاروں کے حوالہ کیا گیا۔ وہاں انہیں طرح طرح کی وحشتوں، مظالم اور شکنجوں سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے یہ سب کچھ قبول کیا مگر اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہوئے۔ جس پر انہیں پل چرخی کے وحشی زندان میں منتقل کیا گیا-انہوں نے وہاں پر تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور متعدد شاگردوں کو دین اسلام کے احکام سے واقف کرایا۔

رہائی: امارتِ اسلامیہ کے رہنماوں اور عام مجاہدین کی کوششوں اور بے پناہ رقم خرچ کرنے کے بعد اگست دو ہزار تیرہ میں وہ جیل سے رہا ہوئے۔

وفات: موصوف چونکہ جیل جانے سے پہلے بھی شدید بیمار تھے۔ جیل میں علاج معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے بیماری نے مزید شدت اختیار کرلی۔ اس کے ساتھ جیل میں وحشتوں اور شکنجوں نے صحت میں مزید ابتری پیدا کردی، جس سے ایک سال کی مدت میں ان کی صحت بالکل خراب ہوگئی- رہائی کے بعد کچھ عرصہ گھر میں گزارنے کے بعد سخت بیمار پڑ گئے۔ امارت اسلامیہ کے کمیشن برائے صحت کی جانب سے علاج پر بھرپور خصوصی توجہ دی گئی۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بالاخر جنوری ۲۰۱۴ کو ان کی بیماری جان لیوا جان لیوا ثابت ہوئی اور وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون.

لندن اور کریملن کے محلات بھی کسی اسامہ نے گرائے تھے؟

قاسم محسن از روال

ہمارے عوام کی اکثریت اور بیشتر افغانوں کا خیال ہے کہ اگر اس ملک میں طالبان کی اسلامی اور قومی تحریک نہ ہوتی تو امریکہ افغانستان پر حملہ نہ کرتا اور بہت سارے لوگوں کو اب بھی یقین ہے کہ اگر اسامہ بن لادن کو امریکہ کے سپرد کیا جاتا تو وہ حملہ نہیں کرتا۔ میں ان لوگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ چنگیز، گور گین، انگریز اور سوویت یونین کو ہم نے کونسا نقصان پہنچایا تھا جنہوں نے ہم پر حملے کئے؟ انہوں نے یہاں لاکھوں افغانوں کا قتل عام کیا، کیا اسامہ یا کسی افغان نے ان کے محلات پر حملہ کیا تھا؟ جنہوں نے ایسے مظالم اور جرائم کا ارتکاب کیا جن سے انسانیت شرما گئی۔

مسئلہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور اسامہ بن لادن کا نہیں ہے، یہ صرف اسلام، عقیدے اور افغانستان کا مسئلہ ہے، افغان عوام مذہبی لوگ ہیں، انہوں نے ہمیشہ اپنے ملک میں ایک خود مختار اسلامی نظام اور خلافت کے قیام کی کوشش کی ہے لیکن ہر دور میں طاغوتی اور استعماری قوتوں نے یہاں کے آزاد اسلامی اور قومی نظام کو فریب اور سازش کے تحت ختم کیا ہے، اور افغانستان پر قبضہ کر لیا ہے۔ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں دراصل وہ اپنی تاریخ، قومی اقدار اور افغانستان کے جغرافیائی حدود سے بے خبر ہیں، انہوں نے افغانوں کی غیرت، بہادری، اور شجاعت کی تاریخ کا بغور مطالعہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی استعماری قوتوں کے وحشیانہ حملوں سے واقف ہیں، انہیں افغانستان کی تاریخ کا عمیق نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔

افغانستان کی سرحدیں شمال میں تاجکستان، ازبکستان، ترکمنستان، مشرق اور جنوب میں پاکستان، مغرب میں ایران اور شمال مشرق میں چین سے ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان ایشیاء کا دل سمجھا جاتا ہے، افغانستان ایشیائی ممالک کے لئے ایک چھت کی حیثیت رکھتا ہے، جہاں سے چین، روس، ایران، پاکستان اور دوسرے پڑوسی ممالک کی کڑی نگرانی کی جاسکتی ہے۔ ایک زمانے میں افغانستان ریشمی تجارت کے لئے ایک اہم راستہ ہوا کرتا تھا، اس لئے دنیا کی ہر سپر پاور یہ کوشش کرتی تھی کہ اس اہم راستہ پر اپنا قبضہ جمائے اور ریشم کے قافلوں کو لوٹے۔ افغانستان کے پہاڑوں اور میدانی علاقوں میں وسیع ذخائر موجود ہیں۔ ہر دور میں استعمار نے ان پر قبضہ کرنے، اپنی معیشت کو مستحکم کرنے اور اپنے حریفوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے اور ان کا یہ خواب پورا نہیں ہوا۔

یہاں ہر طالع آزما نے اپنی قسمت آزمائی ہے! کبھی چنگیز کے نام سے حملہ آوروں نے یہاں حملہ کیا اور کبھی انگریزوں اور سوویت حملہ آوروں نے یہاں مظالم کیے جب کہ اب امریکہ کی ظالمانہ جارحیت جاری ہے۔

جب سکندر اعظم نے پوری دنیا کو فتح کیا تو انہوں نے افغانستان میں اپنا قدم رکھا لیکن یہاں ان کو منہ توڑ جواب ملا۔

چنگیز نے پوری دنیا میں مظالم کیے، مسلم حکمرانی کا خاتمہ کیا، مختلف ممالک پر اپنا قبضہ جمایا، لیکن جب انہوں نے افغانستان پر حملہ کرنے کا رخ اختیار کیا تو انہوں نے سکندر اعظم کی طاقت کو دیکھتے ہوئے جو یہاں ناکام ہوا تھا، اپنی فوج کو دوگنا کر دیا اور پھر افغانستان پر چڑھائی کی حالانکہ افغانوں نے ان کا کوئی نقصان نہیں کیا تھا، افغانوں نے چنگیزی جارحیت کا بھرپور دفاع کیا اور ان کو ایسی تاریخی شکست دی کہ پوری دنیا ان کے شر سے محفوظ ہوگئی۔ گور گین کی فوج جس کے خوف سے پوری دنیا خوف زدہ تھی، نے افغانستان پر حملہ کیا، گور گین نے گریٹر قندھار کا حکمران بننے کا اعلان کیا، جس کے خلاف افغان عوام نے علم جہاد بلند کیا اور کامیاب مزاحمت کے نتیجے میں گور گین کو شکست دیکر ان کا لشکر تہس نہس کر دیا۔

اس کے بعد انگریزوں نے پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم کیا اور بغیر کسی جرم کے افغانستان پر تین بڑے وحشیانہ حملے کئے، انگریزوں نے سکندر اعظم اور چنگیز کی

افواج کی شکست کے پیش نظر اپنی فوج کو دس گنا بڑھا دیا تاکہ افغانوں کے ہاتھوں وہ شکست نہ کھائے۔ لیکن افغانستان ان کے لئے آتش فشاں پہاڑ ثابت ہوا اور اس کے عروج کا سورج افغانستان کے زوال کے افق پر غروب ہوا۔ اس کے بعد روس دنیا کا سپر پاور بن گیا، خطوں اور ممالک کو مسخر کرتا رہا اور بالآخر افغانستان پر غیر قانونی اور ظالمانہ جارحیت کی حماقت کی، روسیوں نے برطانوی فوجی طاقت کے پیش نظر اپنی فوج اور دیگر فوجی ساز و سامان کو انگریزوں سے کئی گنا بڑھا دیا اور پھر افغانستان پر چڑھائی کی، حالانکہ کسی اسامہ یا افغان نے کریملن محل کو تباہ نہیں کیا تھا۔

افغان مسلم قوم کو ایک ایسے وقت میں سوویت یلغار کا سامنا کرنا پڑا جب اس نے ابھی تک انگریزوں کے حملے سے سکھ کا سانس نہیں لیا تھا۔ تاہم افغان عوام نے اسلاف کی طرح خالی ہاتھوں سے سوویت یونین کی جارحیت کا مقابلہ شروع کیا، اور اپنی مٹی سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے پندرہ لاکھ شہریوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور ایمانی قوت سے روسی جارحیت کو منہ توڑ جواب دیا، بیش بہا قربانیوں کی بدولت اپنی آزادی حاصل کر لی اور سوویت یونین کو روس میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد امریکہ نے دنیا میں اپنی فرعونی حیثیت کا اعلان کیا، خود کو دنیا کا شہنشاہ قرار دیا، جاپان پر ایٹمی حملے کیے اور دوسرے ممالک کی طرح اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ پوری اسلامی اور غیر اسلامی دنیا اس کے خوف سے اس کے آگے جھکتی ہے۔

اور آخر کار نائن الیون واقعہ کو بہانہ بنا کر افغانستان پر غیر قانونی یلغار کی غلطی کی، اس نے سوویت یونین اور انگریزوں کی شکست کے پیش نظر جارحیت سے قبل بھرپور تیاری کی اور پوری دنیا کو اپنا ہمنوا بنا کر افغانستان پر چڑھائی کی۔ افغانوں کو ایک ایسے وقت میں صلیبی جنگ کا سامنا کرنا پڑا جب انہوں نے سوویت حملے اور مصائب سے ابھی تک سکون کا سانس نہیں لیا تھا۔ لیکن اس بار افغانستان پر تاریخ کا سب سے بڑا حملہ ہوا، اور امریکہ کی سربراہی میں دنیا کے 48 ممالک نے افغانستان پر جارحیت کا ارتکاب کیا۔

اس نے ہمارا اسلامی نظام تباہ کر دیا، ہماری آزادی چھین لی اور ہماری سرزمین پر قبضہ کر لیا۔ اس دور کے کٹھ پتلی حکمرانوں حامد کرزئی اور اشرف غنی نے شاہ شجاع اور ببرک کارمل کا کردار ادا کرتے ہوئے حملہ آوروں کا ساتھ دیا اور ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے، اپنے دین، ملک اور قوم سے تاریخی غداری کی۔ دشمن نے اسلامی حکومت کا تختہ الٹ دیا، ہماری آزادی اور خود مختاری سلب کر کے زمینی اور فضائی دونوں اختیارات اپنے کنٹرول میں لے لیے۔

تاہم افغان عوام نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح عصر حاضر کے فرعون کے سامنے سر نہیں جھکایا اور امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی قیادت میں علم جہاد بلند کیا، اس دھرتی کے بہادر بیٹوں، علماء کرام، طالبان اور عام مجاہدین نے 19 برس کے دوران دشمن پر عرصہ حیات تنگ کر کے جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور سفاک دشمن کے مظالم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط کھڑے ہوئے اور اس کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ افغانوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دے اور امارت اسلامیہ کے ساتھ فوجی انخلا کا معاہدہ کرے۔ آخر کار امریکہ نے بھی انگریزوں اور سوویت یونین کی طرح افغان عوام کی آزادی کو تسلیم کر لیا۔ جو اللہ تعالی کی مدد کا مظہر اور ہمارے مجاہدین کی قربانیوں کے ثمرات ہیں۔ اگر ہم اسامہ امریکہ کے حوالے کر دیتے تب بھی وہ یہ حملہ کر دیتا۔

بات اسامہ اور نیویارک پر حملے کی نہیں ہے بلکہ اس کو ہماری امارت اسلامیہ قابل قبول نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے افغانستان پر حملہ کرنے کے لئے مناسب وقت کا انتخاب کیا اور نیویارک کے حملوں کا فائدہ اٹھایا۔ صلیبی قوتیں اسلامی ریاستوں میں حکومت مخالف نہیں ہیں بلکہ وہ فطری طور اسلام کے مخالف ہیں۔ طالبان کی امارت اسلامیہ نے خلافت کی شکل اختیار کی تھی۔ لہذا وہ مسلمانوں کے ایسے اسلامی نظام کو کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے بہر صورت یہ حملہ کرنا تھا۔ نیویارک حملوں سے دو سال قبل طالبان پر بین الاقوامی پابندیاں کیوں عائد کی تھیں۔ امریکہ کب تک ہم سے اور پوری اسلامی دنیا سے تکبر میں بات کرتا۔ اچھا ہوا کہ وہ یہاں آیا اور اس کا غرور ختم ہوا۔

اللھم اعز الاسلام والمسلمین اللھم اھلك الکفرۃ والمشرکین

عوام کی جانب سے مجاہدین کا گرمجوشی سے استقبال

حبیب مجاہد

حال ہی میں کندہار اور ہلمند میں بہت زیادہ دیہات اور گنجان آباد علاقوں سمیت سینکڑوں دیہات جو اس سے قبل کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کے قبضے میں تھے اب امارت اسلامیہ کے مجاہدین کے کنڑول میں آگئے ہیں۔ جہاں امن اور اسلامی عدل وانصاف کا پرچم لہرادیا گیا ہے۔

ہلمند کے اضلاع گرشک، ناد علی، ناوہ اور مرکز لشکر گاہ سے ملحقہ علاقے اور کندہار کے ضلع ارغنداب، پنجوائی، میوند اور ژڑئ وہ علاقے ہیں جو کئی سال سے غیر ملکی جارحیت پسندوں اور ان کی کٹھ پتلیوں کے مضبوط مراکز سمجھے جاتے تھے۔ جب افغانستان میں امریکی صدر بارک اوباما کے نئے جنگی اسٹریٹجی کے تحت افغانستان میں امریکی اور نیٹو فورسز کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھ گئی تو اس کے نتیجے میں جارحیت پسندوں نے جنوب مغربی صوبوں میں بھی بڑے پیمانے پر فوجی آپریشن کرتے ہوئے اس علاقے پر بموں کی بارش کردی جس کے بعد یہ علاقے کفار کے قبضے میں چلے گئے، جس کے بعد انہوں نے یہاں مضبوط فوجی مراکز بنالیے۔ عوام کے باغات تیار فصلوں اور گھروں کو تباہ کر کے وہاں اپنے فوجی تعمیرات بنالیے۔

جب جارحیت پسند مجاہدین کے پے در پے حملوں سے پسپائی پر مجبور ہوئے تو یہ علاقے اپنے زر خرید غلام افغان فورس کے حوالے کرلیے۔ گزشتہ دس سال سے مذکورہ علاقوں کے عوام پہلے کفار اور بعد میں ان کے کٹھ پتلیوں کی وجہ سے اذیت کی زندگی جی رہے تھے۔ یہ بے مہار جنگجوؤں کا ٹولہ عوام سے زبردستی پیسے لیتے، چوری اور لوٹ مار کرتے، اغوا برائے تاوان جیسی سنگین جرائم میں ملوث تھے۔ لوگوں کی جان ومال وآبرو محفوظ نہیں تھی۔

اسی وجہ سے مذکورہ علاقوں کے لوگ بڑی بے صبری سے مجاہدین کی آمد کا انتظار کررہے تھے۔ بالآخر مجاہدین اس سال عوام کی بھرپور خواہش اور ان کی ہمرکابی میں ان علاقوں سے دشمن کا صفایا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح یہ علاقے مجاہدین کے کنڑول میں آگئے۔

ان فتوحات کے لمحات کے عینی شاہدین کے مطابق لوگوں نے مجاہدین کا گرمجوشی سے استقبال کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہا۔ کٹھ پتلیوں کے ظلم وستم سے تنگ عوام نے مجاہدین کو امن کے پیامبر سمجھتے ہوئے اپنے اہلا وسہلا کی صدا لگائی۔ جب مجاہدین علاقوں میں داخل ہونے لگے تو لوگ ان کے ہاتھ چھومنے دیوانہ وار نکلے۔ لوگ مجاہدین سے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کی طرح بغلگیر ہوئے، بچے مجاہدین کے لیے چائے اور پانی لانے لگے۔

لوگوں کی ان محبتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان عوام امارت اسلامیہ کے مجاہدین کو اپنے نمائندہ سمجھتے ہوئے ان کی حکومت کے خواہاں ہیں۔ کیوں کہ اس میں وہ اپنی جان مال اور آبرو کی عزت محفوظ سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے عوام کٹھ پتلی حکومت سے بیزار اور ہمیشہ ان سے شکایات کے انبار لگالیتے ہیں جبکہ مجاہدین کا استقبال گرمجوشی سے کیا جاتا ہے۔

عوام کی ان محبتوں اور مجاہدین کے ساتھ ہمدردی ہمیں یہ خوشخبری دیتی ہے کہ ان شاء اللہ مستقبل میں مزید وہ علاقے بھی اللہ کی نصرت سے مجاہدین کے کنڑول میں آئیں گے جو ابھی تک دشمن کے کنڑول میں ہیں۔

افغان عوام کی مجاہدین کے ساتھ اس طرح کی ہمدردی اور پرجوش استقبال اگر ایک جانب اسلام کی حقانیت اور عوام کی اسلام دوستی کا مظہر ہے تو دوسری جانب وہ امریکا اور ان کے کٹھ پتلیوں کے زیر سایہ زندگی کو اپنے لیے جیل سے بدتر سمجھتے ہیں اس لیے مجاہدین کو اپنے علاقوں میں خوش آمدید کہتے ہیں۔

مغرب میں اسلامی مقدسات کی توہین کا مقصد

مولوی محبوب شاہ ساجد

مغرب میں پے درپے ہونے والے اسلام کی توہین کے واقعات کی وجہ جاننے سے پہلے ایک اور اصطلاح کے بارے میں جاننا ضروری ہے جسے اسلاموفوبیا کہتے ہیں۔ فوبیا[phobia] ایک لاطینی لفظ ہے جو مغربی زبانوں میں نفرت اور خوف پھیلانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ جب اسلام کے ساتھ ایک جگہ استعمال ہوتا ہے تو اس سے "اسلاموفوبیا" لفظ بنتا ہے۔ جس کا مطلب ہوا اسلام سے نفرت اور خوف۔ اس لفظ کو اسی طرح اسلام سے لوگوں کو بدظن کرنے اور خوف دلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اسلاموفوبیا کی تاریخ:

اسلاموفوبیا جدید دور کی ایک اصطلاح ہے۔ لیکن اصل میں اسلام کے خلاف حسد، کینہ بغض وعداوت اور نفرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی پھیلنا شروع ہوا تھا۔ جہاں مشرکین مکہ نے آغاز اسلام سے ہی زہریلے پروپیگنڈے کا آغاز کیا، جس کی مکمل تفصیلات سیرت نبوی کی کتابوں میں موجود ہیں۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا تو کئی دوسرے علاقوں کی فتح کے ساتھ شام اور فلسطین بھی فتح ہوئے۔ جو یہود ونصاریٰ کے مراکز تھے۔ اس کے بعد اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈے کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی طرح قسطنطنیہ کی فتح کے بعد اور پھر صلیبی جنگوں کے دوران یورپ کے مسیحیوں نے لوگوں کو صلیبی جنگوں میں جھونکنے اور انہیں جنگ پر ابھارنے اور حوصلہ دینے کے لیے اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن پاک کے خلاف نہایت نفرت آمیز پروپیگنڈے شروع کیے۔

اس کے بعد مستشرقین کی باری آئی جنہوں نے اسلام کے خلاف خطرناک اور توہین آمیز تحریریں لکھیں۔ مغرب نے صلیبی اور دوسری جنگوں میں مسلسل شکستوں کے بعد مستشرقین کا گروہ اسی لیے بنایا تاکہ یہ لوگ سب سے پہلے اسلامی علوم پڑھیں اور پھر مسلمانوں اور دنیا کی دیگر مذاہب کے لوگوں کو پیغمبر اسلام اور قرآن کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کریں۔

معروف مسیحی راہبہ کرن آرم سٹرانگ کہتی ہے کہ: اسلاموفوبیا کی تاریخ کا صلیبی جنگوں کے ساتھ مضبوط تعلق ہے۔ ایک اور مشہور مفکر "لیو بولڈ فائس" [یہودی جو بعد میں مسلمان ہوئے اور اپنا نام محمد اسد رکھا] نے اپنی کتاب "الاسلام علی متفرق الطرق" میں کہتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپ کی نفرت کی جڑیں بڑی گہری ہیں جس کی بنیاد صرف تعصب ہے۔ جو دراصل صلیبی جنگوں کے دوران یورپ سے شروع ہوا اور اب امریکا کی وراثت میں یہ تعصب اور نفرت آچکا ہے جس پر تاریخ کے صفحات گواہی دیتے ہیں۔ اس موضوع پر ایک اور اعلیٰ امریکی عہدیدار ڈیوجن روستو اور لینڈن جنسن نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ: امریکا اپنے فلسفے، مذہب اور نظام حکومت کے ساتھ مغربی دنیا کا ایک مکمل حصہ ہے۔ اس لیے اسلام کے خلاف کھڑا ہے۔ امریکا مغربی دنیا اور یہودیوں کے ساتھ مکمل ہم آہنگی کی وجہ سے اسلام دشمنی سے ہرگز باز نہیں آسکتا۔

اسلاموفوبیا کے یہ اور اس جیسے دوسرے طریقے تاریخ کے اوراق میں مختلف شکلوں میں موجود ہیں۔ جس میں دشمنان اسلام اور خاص کر مغرب کا کردار زیادہ ہے۔ لیکن اسلاموفوبیا کی اصطلاح جدید دور کی اصطلاح ہے جو بیسویں صدی کے دوران مغربی لکھاریوں کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔ جس میں بیلجیئم کے ایک مستشرق ہینری لامنس قابل ذکر ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی کتاب میں یہ اصطلاح استعمال کی ہے۔ اسی طرح ایک فرانسیسی مستشرق ایٹین ڈینہ نے بھی اپنی کتاب "مشرق ومغرب" میں یہ اصطلاح استعمال کی ہے۔

ولیئیم گلاڈسون جو چار مرتبہ انگلستان کے وزیراعظم رہ چکے ہیں کہتے ہیں کہ: جب تک قرآن اپنے اصلی شکل میں مسلمانوں کے درمیان موجود رہے گا اور

مسلمانوں کا اس سے رابطہ رہے گا مغرب کے لیے اسلامی دنیا پر حاکمیت محض ایک خواب ہے۔

لیکن بیسویں صدی میں مغرب نے اسلام کے خلاف اسلاموفوبیا کا ایک تند و تیز سلسلہ شروع کیا جس کے مختلف پہلو ذیل میں ذکر کیے گئے ہیں۔

ا۔ جب 1989ء میں سوویت یونین نے افغانستان میں شکست کھائی اور کمیونسٹ رجیم کا خاتمہ ہوا تو مغرب نے اپنا دوسرا حریف اسلام کو قرار دیا۔

سیموئیل ہنٹنگٹن نے 1993ء میں اپنی کتاب [Clashes of civilization] میں اسلام کو مغرب کے لیے خطرناک دشمن قرار دیا اور امریکا سے مطالبہ کیا کہ اسلام کا راستہ روکے۔

۲۔ 11 ستمبر کا پر اسرار واقعہ مغرب کے ہاتھ ایک بہانہ لگا۔ اسی واقعے کو بنیاد بنا کر مغرب نے دہشتگردی کے عنوان سے اسلام کے خلاف جنگ کا آغاز کیا۔ اس واقعے کے بعد اس وقت کے امریکی صدر نے اعلان کیا کہ صلیبی جنگوں کا پھر سے آغاز ہو گیا ہے۔ مغرب کے ایک معروف مفکر "تاریخ کا اختتام" نامی کتاب کے مصنف فوکویاما نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ اسلام واحد تہذیب اور تمدن ہے جو مغربی ماڈرنزم کی راہ میں سب سے بڑا چیلنج ہے۔ اس کے بعد ناروے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے بنائے گئے اور قرآن کریم کی بے حرمتی کی گئی۔ اس کے بعد فرانس میں چارلی ہیبڈو میگزین نے آزادی اظہار رائے کے نعرے کے تحت ایک توہین آمیز کارٹون شائع کیا۔ مغربی میڈیا اسلام کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کی واضح مثال انگلستان کے میڈیا کی ہے جو اسلام پر سالانہ 2500 تحریریں شائع کرتا ہے۔ تاکہ اپنے طور دنیا میں لوگوں کو اسلام سے بدظن کر سکیں۔ اسی طرح ہالی وڈ فلموں میں سب سے زیادہ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو دہشتگردوں کے طور پر دنیا میں متعارف کروایا جائے۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ فرانس کے حالیہ اقدامات اس کی واضح مثالیں ہیں۔

مغرب میں پے در پے اسلامی مقدسات کی توہین کا سلسلہ:

ا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ مغرب میں اب بھی صلیبی جذبہ موجود ہے۔ اس سے قبل وہ اپنے تحریف اور منسوخ شدہ دین کی راہ میں اسلام کو سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے لیکن اب جدید دور میں مختلف مراحل کے بعد مغرب الحاد، سیکولرزم اور لبرلزم کے دریا میں غرق ہو چکا ہے۔ اب صرف ایک مادی تہذیب ہے جو ان کے پاس رہ گئی ہے۔ اب ان کا خدا اور دین سے تعلق ختم ہو چکا ہے اور وہ ہیومنزم اور سائنس پر آ کر رک گئے ہیں۔ مغرب نے اب سائنس کے ساتھ [نعوذ باللہ] انسان کو خدا کا درجہ دے دیا ہے۔ لیکن اسلام اس فکر کے خلاف ہے۔ ہمارے یہاں کائنات کا محور خالق و مالک اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ جو معبود برحق ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عبادت کے لیے پیدا کیا اور زندگی کے لیے احکام اور قوانین بھیجے ہیں تاکہ اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اپنے طور پر زندگی نہیں گزار سکتے۔ حالانکہ مغرب کو اسلام کا یہ تصور قبول نہیں۔ اس لیے مغرب اسلام کے ساتھ دشمنی پر اتر آیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام دوسرے ادیان کی نسبت ایک کامل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ سیاست، معیشت اور معاشرت غرض ہر میدان میں اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لیے اصول وضع کیے ہیں۔ مغرب اسلام کے ان اصولوں سے خوفزدہ ہے اور اسے اپنے استعماری مفاد کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے۔ اس لیے کوشش کرتا ہے کہ مغرب میں اسلام کا چہرہ مسخ کیا جائے تاکہ لوگ اس سے متنفر ہوں۔ مغرب کی کوشش ہے کہ مسلمان بھی دوسرے ادیان کی طرح اس مادی تہذیب کے سامنے سر تسلیم خم کرے، سیکولرزم، لبرلزم، ہیومنزم، کیپٹلزم، ہم جنس پرستی اور سود جیسی لعنت کو اپنی زندگی میں جگہ دے۔ جیسا کہ کچھ عرصہ قبل کیتھولک چرچ کے ایک پاپ فرانسیس نے ہم جنس پرستی کی تائید کی۔ مغرب چاہتا ہے کہ اپنے طور پر اسلام کے اصولوں میں تبدیلیاں کرے جیسا کہ ان کے "رینڈ کارپوریشن" نے پہلے ہی یہ جسارت شروع کر رکھی ہے۔

۳۔ یورپ میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ آئے روز متعدد افراد اسلام قبول کر رہے ہیں۔ کیوں کہ وہاں لوگ مادیت کی زندگی سے روحانی اور نفسیاتی طور پر تنگ آ چکے ہیں۔ اس لیے مغرب میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ صورتحال بھی اسلام دشمن مغرب سے برداشت نہیں ہوتا جس کے بعد وہ اسلام کے مقدسات کی توہین کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے کچھ مسلمان جذبات میں آ کر کچھ کر گزریں گے جس کے بعد ان کو اسلام کے خلاف بہانہ مل جائے گا۔ اور پھر مسلمانوں پر پابندیاں لگائی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ اسلام انتشار کا درس دیتا ہے جسے روکنا ضروری ہے۔ دوسرا مقصد ان کا یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعے کسی مسلمان ملک پر چڑھائی کا بہانہ ہاتھ آئے گا۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ ردِ عمل کسی ملک کی طرف سے ہو۔

چھاپے کی رات

محمد زاہد زبیر

عرفات کا دن تھا اکثر مجاہد ساتھیوں نے نفلی روزہ رکھا تھا، سب کے چہروں پر خوشی کے آثار تھے کیوں کہ کل عید تھی۔ مغرب کی اذان ہوتے ہی سب نے مل کر افطاری کی۔ چونکہ یہ عید کی رات تھی اس لیے دور دراز علاقوں میں محنت مزدوری کرنے والے گاوں کے نوجوان بھی عید منانے گاوں پہنچ چکے تھے۔ اس لیے مسجد میں معمول کی نسبت نمازی زیادہ تھے۔ پھر ہم نے گاوں کے لوگوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی۔ رات گزارنے کے لیے مجاہدین کی ترتیب کے مطابق تین تین کے گروپ بنا کر مختلف اطرف میں ساتھی ہنسی خوشی ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ میں اور میرا ایک ساتھی گاوں کے قریب واقع جنگل کی طرف چل پڑے ،وہاں ہمارے ایک مجاہد ساتھی کا گھر تھا۔

ساتھی نے کہا: آج تیسرا دن ہے ڈرون طیارے ہمارے مرکز کے آس پاس چکر لگا رہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ آج چھاپہ پڑے"

میں نے ساتھی کو مسکراتے ہوئے جواب دیا" عید کی رات اور آپ کی یہ باتیں، آخر کفار بھی اتنا جانتے ہیں کہ آج عید کی رات ہے"۔

دوست خاموش ہوئے۔ ہم دوست کے گھر کی طرف چل پڑے، واکی ٹاکی سیٹ پر مخصوص نمبر ملا کر دونوں محتاط انداز سے مختلف راستوں سے ہوئے دوست کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ دوست کے گھر پہنچتے ہی میں نے مخصوص انداز سے دروازے پر دستک دی۔ دوست نے فورا دروازہ کھولا۔ شاید وہ ہمارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ مہمان خانے میں داخل ہوتے ہی دیکھا کہ میرا مجاہد ساتھی مجھ سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا۔ کھانا کھانے اور عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد چائے لائی گئی اور رات کو دیر تک ہم عید کی خوشیوں، ملکی حالات اور مجاہدین کے قصے ایک دوسرے کو سنا تے رہے۔

رات دیر سے طیاروں کی گھن گرج کی آواز سنائی دی۔ بارہ بجے کے قریب اچانک امریکیوں کا چھاپہ مارنے والا مخصوص طیارہ جسے مجاہدین چار مشینوں والا طیارہ کہتے ہیں پہنچ گیا، اور عادت کے بر خلاف اچانک بمباری شروع کی۔

عید کی رات تھی، ہم ایک حیران کن حالت سے دوچار ہوئے کیوں کہ ہمیں قطعا اس قسم کے حالات کی توقع نہیں تھی۔ جلدی جلدی ہم نے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ پہلے پہل ہم بھی کچھ گھبرا گئے۔ لیکن میزبان کی خاطر ہم نے اپنے اعصاب پر کنٹرول کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے جو میرا امیر بھی تھا سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے، کیوں کہ وقت بہت کم ہے؟ ہم یہاں مقابلہ کریں گے؟ گھر سے باہر نکل کر لڑیں گے یا ہتھیار ڈال دیں گے؟ دوست نے کہا کہ یہاں لڑنا مناسب نہیں کیوں کہ ایک بم سے میزبان کا پورا خاندان تباہ ہو سکتا ہے۔ اور ہتھیار ڈالنے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا اس لیے باہر نکل کر کسی محفوظ مقام پر پہنچ کر وہاں سے مقابلہ کریں گے۔

اس وقت فضاء میں چار قسم کے مختلف طیاروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، جن میں ڈرون، ہیلی کاپٹر، جیٹ اور چار مشینوں والے طیارے کی آوازیں اور آس پاس بمباری کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میزبان سے رخصت لینے کے بعد فیصلہ ہوا کہ گھر کے باہر جنگل تک پہنچیں گے اور وہاں خون کے آخری قطرے تک مقابلہ کریں گے۔ میرے پاس سنائپر موجود تھا اس لیے رات کی تاریکی میں کفار کے پیدل آنے والے فوجیوں کو بہ آسانی ٹارگٹ کیا جا سکتا تھا۔ فیصلہ ہوا راستے میں کوئی شہید یا زخمی ہو جائے تو دوسرا ساتھی اس کے قریب نہ جائے کیوں کہ یہ وقت مدد کا نہیں، بلکہ اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ کیوں کہ اس قسم کے حالات میں ساتھی کی مدد کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

اس وقت چینوک ہیلی کاپٹروں کی بھاری بھر کم آواز سنائی دی، تین چینوک ہیلی کاپٹروں نے گاوں کے تین اطراف میں لینڈنگ کی، تاکہ گاوں مکمل محاصرے میں آئے۔ امریکی فوجیوں کو اتارنے کے بعد یہ طیارے دوبارہ فضاء میں بلند ہوئے۔

میزبان سے رخصت لے کر ہم گھر سے باہر نکل آئے۔ امریکی فوجیوں کے مخالف سمت میں ہم نے چلنا شروع کیا۔ میں آگے اور میرا ساتھی تقریبا دس میٹر کے فاصلے پر میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

اٹھتے بیٹھتے اور کبھی جھک کر چلتے رہے، ہر قدم کو زندگی کا آخری قدم سمجھ کر اٹھاتا رہا۔ کلمہ طیبہ کا ورد زبان پر جاری تھا۔ قرآن پاک کی جتنی دعائیں اور اذکار یاد تھیں وہ بھی پڑھتا رہا۔ اسی دوران ہم بڑی خاردار جھاڑیوں کے درمیان واقع ایک خشک ندی میں داخل ہوئے۔ ہماری منزل دریا کے کنارے گھنا جنگل تھا جو اب بہت دور تھا۔

باہمی مشورے کے بعد اسی جگہ پڑاو ڈالنے کا فیصلہ ہوا۔ کئی دفعہ ہمیں چھاپوں کا سامنا ہوا۔ کئی بار موت کو اپنی آنکھو سے دیکھا، لیکن کبھی اپنے چھوٹے بچوں کا خیال نہیں آیا، اس بار زندگی میں پہلی بار ہوا کہ اپنے چھوٹے بچے میری آنکھوں کے سامنے آتے رہے۔ ان کے لیے دعا کی۔ اپنے عزیز واقارب کے لیے دعا کی اور ساتھ ہی اپنے رب سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا سوال کرنے لگا۔ جی چاہا کہ دو رکعت نفل پڑھوں لیکن حالات نے اجازت نہیں دی۔ صرف اپنے دشمن کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ انتظار طویل ہوتا گیا، ہماری آنکھیں صرف دشمن کے آمد کی طرف متوجہ تھیں۔ بار بار گھڑی دیکھتا تاکہ وقت گزر جائے لیکن رات لمبی ہوتی جارہی تھی، ہر لحہ دشمن کے آنے امکان موجود تھا اس لیے ایک منٹ غفلت بھی نقصان کا باعث بن سکتا تھا۔

رات تقریباً ڈھائی بجے چھوٹے دھماکوں کی آوازیں سنائیں دیں۔ یہ دھماکے ان چھوٹے بموں کے تھے جس سے عموماً امریکی جارحیت پسند لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے کے لیے دروازوں کو اڑاتے ہیں۔ ہیلی کاپٹر کی پرواز کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوا کہ چھاپہ ہمارے مرکز پر ہے لیکن اس بات کا اطمینان ہوا کہ ساتھی مرکز میں موجود نہیں ہیں۔ اور دوسرا اس بات کا بھی اطمینان ہوا کہ ہم دو ساتھی دشمن کے طیاروں اور ڈرون کیمروں کی آنکھوں سے محفوظ ہیں، کیوں کہ ہماری طرف ان کی توجہ بالکل نہیں ہوئی۔

صبح تک ہم اسی جگہ بیٹھے رہے۔ صبح صادق کے وقت محسوس ہوا کہ چینوک ہیلی کاپٹر دوبارہ لینڈنگ کرنے لگے ہیں۔ یہ لینڈنگ فوجیوں کو اٹھا کر واپس لے جانے کے لیے ہوتی تھی۔ دوسرے طیاروں کی گھن گرج بھی صبح کی روشنی پھیلتے ہی آہستہ آہستہ کم ہوتی ہوئی ختم ہوئی اور فضاء طیاروں کی پرواز سے خالی ہوگئی۔

نماز کے بعد ہم نے اپنے مرکز جانے کی تیاری کرلی۔ جہاں چھاپہ پڑا تھا ہمیں یقین تھا کہ ساتھی محفوظ ہیں کیوں کہ وہاں قریب ہم دو ساتھیوں کے علاوہ کوئی مجاہد نہیں تھا، لیکن ہم گاؤں کے لوگوں کے بارے میں تشویش میں تھے کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا گیا ہو۔

راستے میں خوفناک خاموشی اور درختوں کی ٹوٹی ہوئی شاخیں بھاری بمباری کی داستان سنا رہی تھیں۔

گاؤں پہنچتے ہی دیکھا کہ گاؤں کے لوگ شدت غم سے نڈھال ایک دوسرے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہم سمجھ گئے کہ گاؤں میں ضرور کسی کی شہادت ہوئی ہے۔

ہمیں زندہ سلامت دیکھ کر سب نے خوشی کا اظہار کیا اور اللہ کی حمد وثناء بیان کی۔ اس کے بعد چھاپے کی روداد سنانے لگے۔

کہا کہ: ملا سحر گل اور شیر گل آکا فصلوں کو پانی دے رہے تھے، دونوں کو شہید کردیا گیا ہے۔ شیر گل آکا کے گھر پر بھی شدید بمباری کی گئی، جہاں ان کے بیٹے موجود تھے لیکن وہ اپنے نو تعمیر شدہ گھر کے تہہ خانے میں پناہ لے چکے تھے، اس لیے ان کی جانیں تو بچ گئیں لیکن امریکی فوجیوں نے بعد میں سرچ آپریشن کے دوران دونوں کو گھر سے نکال کر تشدد کا نشانہ بنایا اور اپنے ساتھ لے کر گئے۔ کفار نے مسجد پر بھی بمباری کر کے اسے شہید کردیا تھا۔ گھر گھر تلاشی کے دوران لوگوں کو گھروں سے نکال کر سخت سردی میں صبح تک باہر بٹھائے رکھا، انہیں جان سے مارنے کی دھمکیاں دیتے رہے۔ صبح جاتے ہوئے انہیں کہا کہ اگر اس جگہ سے حرکت کی تو اوپر طیارے تم پر بمباری کریں گے، لہذا یہاں سے نہیں ہلنا۔ وہ چلے گئے شیر گل آکا کے بیٹوں کو بھی ساتھ لے گئے۔

ہم شہداء کے گھروں کی طرف چل پڑے دونوں بزرگ تھے ان کے لیے دعا کی۔ اسی اثناء دوسرے مجاہدین بھی پہنچ گئے۔ پھر ہم ان بڑے بموں کی جگہ کا جائزہ لینے وہاں گئے جہاں یہ بم گرائے گئے تھے۔ جس جگہ بم گرے تھے وہاں بڑے بڑے کھڈے زمین میں بن گئے تھے۔ لوگوں کی پوری کی پوری فصلیں ایک ہی بم سے تباہ کی گئیں تھیں۔

گاؤں کے غریب لوگ اپنے نقصانات اور دشمن کی وحشت کے واقعات سنا رہے تھے۔ پھر ہم شیر گل آکا کے نو تعمیر شدہ گھر دیکھنے کے لیے اس طرف چل پڑے۔ دیکھا کہ بھاری بمباری سے گھر کی دیوریں گر گئیں تھیں۔ تہہ خانے کو بھی نقصان پہنچا تھا لیکن شر گل آکا کے بیٹوں کی جان بچ گئی تھی۔

ہمارے کپڑے مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ عید کی نماز کا وقت قریب تھا، عید کی خوشی مٹ گئی تھی، مگر پھر بھی ہم نے عید کی نماز اور شہداء کے جنازوں کی تیاری کرلی۔

کابل پر کیا گزر رہی ہے؟

جاوید علی خیل

رات کا کوئی لگ بھگ ایک بج رہا تھا کہ ہماری گاڑی قندہار سے کابل پہنچ گئی۔ میں چاہ رہا تھا کہ کابل کی مشرقی جانب "بت خاک" پہنچ جاوں۔ دو افراد اور بھی تھے جو اس جانب جانا چاہ رہے تھے۔

ہم نے مشترکہ طور پر ایک ٹیکسی کرایہ پر لی۔ جب چمن حضوری کے علاقہ سے گزر گئے اور "کارتہ نو" کی سڑک پر چلنے لگے تو کچھ آگے جانے کے بعد عمر خیل پمپ کے ساتھ میرے دوسرے ساتھی اتر گئے۔ کچھ اور آگے چلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سڑک کی بائیں جانب سے ایک سفید ریش بابا انتہائی سراسیمگی، کسمپرسی اور افسردگی کی حالت میں ہماری طرف آتا دکھائی دیا، جس کے ساتھ دو نوجوان لڑکے بھی تھے۔ سفید ریش بابا نے ڈرتے ڈرتے چیخ کر ہمیں پکارا کہ "استاد! روک روک! ہمیں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور ہماری گاڑی چھین لی.... مگر استاد نے بجائے گاڑی روکنے کے ایک اور گیئر دے ڈالا اور سپیڈ مزید بڑھا دی۔ تھوڑی دیر پہلے ہم نے دیکھا تھا کہ ایک نئی ٹوڈی کار جو دو ہزار ماڈل تھی شاہراہِ عام کی سائیڈ پر ایک خام راستے پر بڑی تیزی سے جا رہی تھی اور کسی جگہ رکے بغیر دوڑی جا رہی تھی۔ ڈرائیور نے بتایا کہ یہ وہی گاڑی ہے جو اتنی تیز رفتاری سے سفر جاری رکھے ہوئی ہے۔ گاڑی تھوڑی دور جا کر ایک تنگ گلی میں مڑی اور ہماری نظروں سے غیب ہو گئی۔

ہم بت خاک چورنگی پر پہنچے۔ ہمارے پہنچنے کے بعد وہی سفید ریش اور دیگر وہ افراد جو لٹ چکے تھے پہنچ گئے اور وہیں پر موجود پولیس کو بتایا کہ ڈاکوؤں نے ہمیں لوٹ کر ہماری ٹوڈی گاڑی چھین لی۔ پولیس نے اپنے اہلکاروں کو وائرلیس پر آوازیں دیں اور فلاں فلاں کی آواز لگا کر گاڑی کا نمبر وغیرہ بتایا اور خبر دی کہ اگر کہیں سامنا ہوا تو روک لینا بس......

کابل میں یہ پہلا چشم دید واقعہ تھا جو مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا کہ کابل کے حالات ایک دفعہ پھر نوے کی دہائی کی تنظیمی غنڈہ گردی کی طرف جا رہے ہیں۔ شہر میں چور اور ڈاکو سرِ بازار پھر رہے ہیں۔ دن دہاڑے لوگوں سے گاڑیاں، موبائل، پیسے اور دیگر قیمتی چیزیں چھینی جا رہی ہیں۔ چونکہ ان دنوں مذاکرات اور قیامِ امن کی باتیں اور مجلسیں گرم ہیں اس لیے میں سوچ رہا تھا کہ دیگر جگہوں کی طرح کابل میں بھی ہر مجلس کا موضوع یہی مذاکرات ہوں گے۔ مگر اس کے برعکس دیکھنے کو یہ ملا کہ یہاں موضوعِ بحث صرف اور صرف چور اور ڈاکو تھے۔ کوئی حجرہ ہو، کوئی مجلس ہو، کوئی دوکان ہو، مسجد ہو، ٹیکسی اور رکشہ ہو تو سب کی زبان پر بدامنی، لوٹ مار، چوری، اغوا اور یہ شکوے شکایتیں چل رہی تھیں۔

چوری اور لوٹ مار کے بارے میں لوگوں کی زبانی ایسے ایسے واقعات سننے کو ملے جن پر یقین کرنا بظاہر مشکل تھا۔ مگر وہ حقیقت پر مبنی تھے۔ مثلاً کابل شہر میں بعض گھروں سے کرین کے ذریعہ گاڑیاں اٹھالی گئی تھیں اور صحیح سلامت لے جائی گئیں۔ احمد شاہ بابا کے علاقے میں داود خان چورنگی کے قریب جہاں پولیس محض تیس گز کے فاصلے پر موجود ہے، چوروں کی ایک ٹولی ایک سپر مارکیٹ میں داخل ہوئی۔ ایک ڈاکو نے پولیس کے ساتھ مقابلہ شروع کیا اور باقیوں نے پلک جھپکنے کی دیر میں دوکان کا صفایا کر لیا اور لاکھوں کی مالیت لوٹ لی۔

لوگ اس چوری اور لوٹ مار کی بہت سارے وجوہات بیان کرتے ہیں۔ ایک عمومی رائے یہ تھی کہ گزشتہ سال کورونا کی آڑ میں اشرف غنی انتظامیہ نے ہزاروں ان ڈاکوؤں اور چوروں کو بغیر تفتیش کے آزاد کر دیا جو عرصہ سے بڑے بڑے جرائم کی پاداش میں جیل میں تھے۔ یہ لوگ جو اکثر کابل شہر کے باسی تھے آزاد ہونے کے بعد دوبارہ اپنے معمول پر آگئے اور وہی دھندا شروع کر لیا جس کی وجہ سے عام شہریوں کی زندگی اجیرن بن گئی۔

بہت سارے لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ چوروں کی یہ جرات اور سینہ زوری اس لیے بھی ہے کہ ان کی پشت پر انتظامیہ کھڑی ہے۔ ایک شخص نے واقعہ بیان کیا کہ کابل کے "قلعہ شاناں" علاقہ میں ایک شہری نے اپنا گھر فروخت کیا اور پیسے ابھی تک وصول نہیں کیے تھے کہ رات کو چور گھس آئے۔ مطالبہ کیا کہ گھر کے جتنے پیسے لیے ہیں وہ حوالہ کر دو۔ گھر فروخت کرنے والے بیچارے نے انہیں بتایا کہ ابھی تک قیمت میں نے خود وصولی نہیں کی ہے۔ مگر چور کہاں ماننے والے تھے۔ مسلسل اصرار کرتے رہے۔ بالآخر جب اس نے چوروں کو یقین دلایا کہ اس نے مکان کی قیمت ابھی تک وصول نہیں کی ہے تو چوروں نے اس شخص سے کہا کہ پھر تم ہمارے ساتھ تھانیدار کے پاس چلو اور اسے سمجھاو کہ تم نے ابھی تک مکان کی قیمت وصول نہیں کی ہے۔ ورنہ وہ ہماری زبانی نہیں مانے گا، اور ہم پر شک کرے گا کہ ہم نے آپ سے پیسے لے لیے ہیں۔

یہ اور اس جیسے واقعات برملا نشاندہی کرتے ہیں کہ انتظامیہ اور بالخصوص پولیس اہلکار چوروں کی کتنی پشت پناہی کر رہی ہے؟

انہیں دنوں کابل شہر کے بعض علاقوں میں کچھ ایسی پرچیاں منظر عام پر آگئیں جن امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین نے چوروں اور ڈاکوؤں کو وارننگ دی تھی کہ اگر وہ اس کام سے باز نہیں آئیں گے تو بڑے خطرناک انجام سے دوچار ہوں گے۔ مجاہدین کی اس کاروائی سے لوگوں کی کچھ امیدیں وابستہ ہوئی تھیں اور سانسیں کچھ بحال ہوگئی تھیں کہ انتظامیہ سے تو انتہاء درجہ تک مایوس ہو چکے تھے۔ مجاہدین کی اس وارننگ کے ساتھ انتظامیہ کو بھی کچھ غیرت آگئی اور اشرف غنی نے اپنا معاونِ خصوصی امراللہ صالح کو کابل شہر کا امن برقرار رکھنے کی ذمہ داری سونپی۔ حالانکہ ڈاکوؤں اور چوروں کی اکثریت اس پارٹی سے تعلق رکھتی ہے جس کی رکنیت پر امراللہ صالح کو ناز ہے۔ کابل میں یہ لوٹ مار، ڈاکے چوریاں اور بدامنی کی صورتحال ایک طرف اگر لوگوں کی جان اور مال کے لیے بڑا خطرہ ہے دوسری طرف یہ خوف بھی پیدا کرتا ہے کہ ان جرائم کی کثرت کے باعث ان کی اخلاقی برائی کی حیثیت ہی ختم ہو جائے گی اور ان جرائم پر بجائے شرمندگی کے فخر محسوس کیا جائے گا۔

اسلامی نظام افغانوں کے تمام مسائل کا حل

مولوی مبصر

کابل انتظامیہ کے صدر کے نائب سرور دانش نے افغان تاریخ اور افغان تاریخ کی نامور شخصیات کی توہین کے بعد اپنی نام نہاد جمہوریت کی بقاء کے لیے ایک بار پھر میڈیا پر مضحکہ خیز موقف اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ جمہوریت تمام افغانوں کے لیے نجات کی کشتی ہے۔ ہمیں اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ حالانکہ افغان قوم جمہوریت کے نام سے ہی شدید نفرت کرتی ہے۔

منصب، اختیارات، کرپشن اور عیاشی کے نشے میں ڈوبے ہوئے کابل کے کٹھ پتلی عہدیدار افغان عوام کو گویا اتنا بے وقوف سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس نام نہاد جمہوریت کے دامن سے اٹھنے والے مظالم طاق نسیان میں رکھ لیے ہیں۔

کابل انتظامیہ کے سربراہان سمیت ان کو مسلط کرنے والی مغربی لابی اس بات کی معترف ہے کہ کابل انتظامیہ کرپشن کے لحاظ سے دنیا میں سرفہرست ہے۔ کرپشن میں دنیا میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ لیکن دوسری جانب سرور دانش جمہوریت کو ایسے انداز سے عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں کہ گویا اس جمہوریت میں ہی ہمارے تمام مسائل کا حل پنہاں ہے۔ اس کفری نظام کو اس طرح عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں کہ جیسے اس سے عوام کی معیشت امن وامان اور خود مختاری سب مسائل ہونے والے ہیں۔

سرور دانش پورے افغانستان کی بجائے صرف کابل شہر کی عمومی صورتحال سے افغانوں کو آگاہ کریں کہ اس خون خوار جمہوریت نے طالبان حکومت کے بعد انہیں کیا دیا ہے اور اب حالت کیسی ہے؟

اس طرح کے بے سروپا بیانات تو ان کے نام نہاد صدر اشرف غنی بھی دیتے رہے ہیں، جب پکتیا کے دورے پر آئے تو کہا کہ انہوں نے پورے افغانستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا ہے، اب صرف پکتیا باقی ہے۔ لیکن حقیقت ہر افغان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جمہوریت کے ان دلدادہ اور جھوٹے نعرے بازوں نے عوام کو قتل وغارت، کرپشن، لوٹ مار اور اسلام مخالف کارروائیوں کے علاوہ کچھ نہیں دیا ہے۔

سرور دانش اچھی طرح یہ ذہن نشین کر لے کہ افغان عوام جانتی ہے کہ آپ کے ان نعروں کے پیچھے کون سے مذموم مقاصد ہیں؟

قطر مذاکرات کے دوران جب سرور دانش کے انفرادی مفادات خطرے میں پڑتے ہیں تو کہتا ہے کہ دوحہ معاہدہ توڑ دیا جائے اور طالبان قرآن وسنت کی روشنی میں ان سے بات کریں۔ لیکن کابل میں اپنی عیاشی اور منصب کو بچانے کے لیے قرآن وسنت کو بھول جاتے ہیں۔ یہاں انہیں صرف جمہوریت میں نجات نظر آنے لگتی ہے۔

افغان تاریخ کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں غیروں کے افکار کو پنپنے کا موقع نہیں ملا۔ اگر طاقت کے ذریعے کفری اور غیر افغانی روایات کا یہاں نفاذ ممکن ہوتا تو امریکا بہت پہلے جمہوریت افغان عوام سے قبول کروا چکا ہوتا۔ اب سرور دانش کو ضرورت نہ پڑتی کہ دو عشرے بعد جمہوریت کی اہمیت افغانوں سے منوانے کی کوشش کرتا پھرے۔

افغان قوم ایک مذہبی اور اسلام پسند قوم ہے اور یہاں ایک سچے اسلامی نظام سے ہی ان کے دکھوں کا مداوا ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ یہ اسلامی نظام ہی ہے جس میں تمام مذاہب اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ موجود ہے۔ ہر شہری اسلام کے سائے میں آرام وسکون کی زندگی گزار سکتا ہے۔ سرور دانش جتنا بھی زور لگائے جمہوریت کو جس بھی انداز میں پیش کرے افغان قوم کے لیے قابل قبول نہیں، کیوں کہ انہوں نے اسلامی نظام حکومت کا روشن دور اور اس سے قبل اور بعد کے حالات دیکھ لیے ہیں۔ آج ہو یا کل اسلامی نظام نافذ ہو کر رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالی

کلمۃ حق ارید بھا الباطل

حسن زوئی

جنگ صفین میں شام کے لشکر نے جنگ بندی کا مطالبہ کیا، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہما نے ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما کی مصالحتی کوششوں پر رضامندی ظاہر کی اور صلح پر راضی ہوگئے۔ بنو تمیم کے قبیلہ کے ایک سردار 'عروہ بن اویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا "آپ نے انسانوں کی مصالحت کے فیصلے کو کیوں قبول کیا؟" ہم اللہ کے سوا کسی فیصلے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ فوج میں اس فکر کے حامیوں کی تعداد بڑھ گئی اور جب فوج کوفہ کے قریب پہنچی تو 12 ہزار افراد اس لشکر سے الگ ہوگئے اور حروراء کے مقام پر خیمے لگادیئے۔ فوج سے الگ ہونے والے خوارج کہتے تھے، ان الحکم الا للہ، ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ قرآن پاک کے بجائے انسانوں کے فیصلے کو ترجیح دیتے ہیں جس سے نعوذ باللہ من ذالک وہ کافر ہوگئے۔

ایک دن جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز مسجد میں خطاب فرما رہے تھے تو مسجد میں بیٹھے ایک خوارجی نے بلند آواز سے کہا: ان الحکم الا للہ، جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کلمۃ حق ارید بھا الباطل۔

یعنی چونکہ یہ الفاظ قرآن پاک کا حصہ ہیں لہذا یہ الفاظ حق ہیں لیکن نیت خراب ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر سمجھنا۔

محترم قارئین، جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ حالیہ دنوں بین الافغان مذاکرات کے بارے میں کابل انتظامیہ کے سربراہ نے اعلان کیا کہ طالبان ہمارے ساتھ قرآن وسنت کی روشنی میں بات چیت کا آغاز کریں، دوحہ معاہدے کی بنیاد پر نہیں۔ اشرف غنی کی یہ بات بھی کلمۃ حق ارید بھا الباطل کا مصداق ہے۔

کابل انتظامیہ کے کٹھ پتلی رہنماؤں کی اصلیت تمام افغانوں کو معلوم ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ سرزمین کی خدمت، اپنے ملک سے پیار، اپنے شہریوں کو فائدہ پہنچانا، دین سے وفاداری، اسلامی شعائر کی قدر، اسلامی نظام کی حکمرانی، قوم سے ہمدردی، ملک کی آزادی کی جدوجہد اور جارحیت کے خاتمے کی توقعات، یہ سب ایسی باتیں ہیں جو کابل انتظامیہ کے حکام کے خیال اور ذہن میں بھی نہیں آسکتیں بلکہ ان باتوں اور کابل انتظامیہ کے حکام کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے، ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ مادی مفادات اور اقتدار کے سوا کسی چیز کے وفادار نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ اب ان کی اصلیت غیر ملکی آقاؤں کو بھی اچھی طرح معلوم ہوگئی ہے اس لئے ان کے ہاں بھی وہ بدنام ہوگئے ہیں اور وہ ان سے مایوس ہوچکے ہیں۔

لہذا اگر ایسی بات کابل حکام کے منہ سے نکلتی ہے تو کوئی بھی اسے قابل توجہ نہیں سمجھتا اور نہ ہی کوئی اس کی تردید میں بیان جاری کرنا لازمی سمجھتا ہے۔

کابل انتظامیہ کے حکام کا یہ اعلان بھی سب کے نزدیک ایک مضحکہ خیز بیان ہے، کوئی شخص بھی اس بیان کے جواب میں دلائل تراشنے اور معقول جواب دینے پر اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا، کیونکہ ملک کا ہر فرد بزبان حال کہتا ہے: اسے دیکھو! کس منہ سے قرآن اور سنت کا نام لیتا ہے؟ چنانچہ اشرف غنی کی بات کو پوری قوم مسترد کرتی ہے اور کوئی بھی اس کو قابل توجہ نہیں سمجھتا، چونکہ کچھ لوگوں کی جانب سے میڈیا پر ان کی تعریف کی جاتی ہے اور وہ اس کو امارت اسلامیہ کے لئے ایک سیاسی دھچکا قرار دیتے ہیں اس لئے میں اس کے بارے میں کچھ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو خفیہ وحی (قرآن وسنت) کے ذریعہ جو کچھ دیا ہے، اور ہمارے پاس مستند دستاویزات کے ساتھ موجود ہے، ان سب کی تصدیق کرنا اور دل سے اعتراف کرنا ہمارا ایمان ہے۔ اسلام عمل اور دیانت کا دین ہے، اگر صرف زبانی جمع

خرچ سے مسلمان ہوں، اور دل سے اقرار "تصدیق" نہ ہوں، تو اسلام میں اس کو نفاق کہا جاتا ہے، اگر لوگ اقرار کرتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے تو یہ گناہ کار ہوں گے اور اصولی طور وہ دنیا اور آخرت میں سزا کے مستحق ہوں گے۔ لہذا قرآن وسنت کی روشنی میں مذاکرات اور فیصلوں کے بارے میں بات کرنا اچھی بات ہے لیکن ضروری امر یہ ہے کہ وہ منافقت سے پاک ہو، وہ قرآن وسنت کو محض ایک سیاسی نعرے کی حد تک قبول نہ کریں بلکہ اپنے ایمان کا لازمی حصہ قرار دیں اور ان کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف امریکہ کے ساتھ امارت اسلامیہ کے تاریخی معاہدے اور اس عظیم معاہدے کے نتیجے میں ہونے والی عظیم کامیابیوں کی اہمیت کو کم ظاہر کرنے کی ایک کوشش ہے۔ قرآن وسنت کا نعرہ اس لئے لگایا گیا کہ اگر بین الافغان مذاکرات کے نتیجے میں کوئی بڑی تبدیلی اور پیشرفت واقع ہوتی ہے جس پر افغان عوام اور آئندہ کی تاریخ فخر کرے گی، جو 19 سالہ جہاد کے نتیجے میں بڑے حملوں اور مذاکرات کی میز پر طویل کوششوں، استقامت، اچھی تدبیر اور کامیاب حکمت عملی کے نتیجے میں امریکیوں نے قبول کیا۔ کابل انتظامیہ کے غدار قائدین یہ نہیں چاہتے ہیں کہ امارت اسلامیہ کی قیادت اور اقدام کے تحت آئندہ ہونے والی پیشرفتوں کو افغان قوم اور عوام کا کارنامہ قرار دیا جائے تاکہ وہ امارت اسلامیہ کو جارحیت اور اس سے وابستہ تمام بحرانوں میں نجات دہندہ سمجھیں۔ مذہبی لبادے میں جو لوگ اشرف غنی کو اس طرح کے فریب آمیز بیانات کا مشورہ دے رہے ہیں، انہیں چیلنج دیتا ہوں کہ وہ امارت اسلامیہ اور امریکہ کے درمیان ہونے والے اس تاریخی معاہدے میں کسی ایسی شق کی نشاندہی کریں جو قرآن وسنت کے منافی ہو۔

وہ بھی ایک معاہدہ تھا جو اشرف غنی اور ان کی ٹیم نے جعلی انتخابات کے نتیجے میں اقتدار میں آنے کے فوراً بعد امریکہ کے ساتھ جلد بازی میں کیا۔ اسٹریٹجک سیکیورٹی معاہدے کے نام پر اس شرمناک معاہدے نے امریکی جارحیت کو دوام بخشنے، ہماری تاریخی قوم کو غلام بنانے اور جابر قابض افواج کو انسانیت سوز مظالم ڈھانے کے لئے سند جواز فراہم کیا، اور انہیں ہر قسم کی سزا سے مستثنیٰ قرار دیا، کیا وہ قوم کے سامنے اس کو اپنا کارنامہ قرار دے سکتے ہیں؟ یہ ایک تاریخی جرم تھا جس سے امریکہ کے پہلے کٹھ پتلی حکمران حامد کرزئی نے بھی خود کو دور رکھنے کی کوشش کی، اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ تاریخ میں ایک اور سیاہ دھبہ ان پر لگے۔ جب اس شرمناک معاہدے پر کابل حکام دستخط کر رہے تھے تو انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہیں سوچا کہ یہ معاہدہ قرآن وسنت کے مطابق ہے یا نہیں؟

اب جب کہ اشرف غنی اور ان کے حامی امریکہ سے منت سماجت کر رہے ہیں کہ وہ افغانستان سے فوجی انخلا کے فیصلہ پر نظرثانی کرے، جس قابض دشمن سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ہزاروں نوجوانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، کیا ایسے وقت میں ایک ایسے شخص جو خود کو ملک کا حکمران سمجھتا ہے، کے لئے مناسب ہے کہ وہ قابض فوج کو قبضہ جاری رکھنے کے لئے کہے؟ کیا اشرف غنی اور اس کی ٹیم نے کبھی سوچا ہے کہ امریکہ سے ہم جو مطالبہ کر رہے ہیں کیا وہ قرآن وسنت کے مطابق ہے؟

کیا ملک کا کافر حکمران بھی اس طرح ملک و قوم کو بیچنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے؟ اس مظلوم قوم پر قابض افواج اور افغان سیکورٹی فورسز کی جانب سے جو مظالم ڈھائے جاتے ہیں اور آئے روز متعدد مظلوم شہری نشانہ بنتے ہیں کیا اشرف غنی اور ان کے حواریوں نے کبھی اس پر غور کیا ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں کیا وہ قرآن وسنت کے مطابق جائز ہے؟ کیا اس حوالے سے ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟

جارحیت کے پہلے دن سے لے کر آج تک حملہ آوروں کے ساتھ تعاون، جارحیت کو قانونی حیثیت دینا، حملہ آوروں کے بل بوتے پر اقتدار تک رسائی، حملہ آوروں کے مفادات کے لئے اپنے ملک اور قوم کے مفادات کو پامال کرنا اور واشنگٹن کے دفاع کی خاطر افغانوں کو قربان کرنا کیا قرآن اور سنت کے مطابق ہے؟ کابل انتظامیہ کا کونسا اقدام قرآن وسنت کے مطابق ہے؟ اشرف غنی اور ان کی ٹیم کو یہ سمجھنا ہوگا کہ وہ اب اپنے فریب دہ نعروں سے قوم کو دھوکہ نہیں دے سکتے اور نہ ہی اپنے مادی مفادات کے تحفظ کے لئے قوم کے مطالبے کو مسترد کر سکتے ہیں۔ جارحیت اور ملک میں جنگ کا خاتمہ ضرور ہوگا اور مکمل امن آئے گا، ان شاءاللہ، ان کے بہانے مزید رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

ہفتہ وار پریس بریفنگ

ایوان صدر کے عہدیدار یا داعش کے دفاعی وکلاء

2020-11-04

ہفتہ وار تبصرہ

ملک بالخصوص کابل شہر میں داعش کے پراسرار گروہ کی جانب سے بار بار دلخراش واقعات اور قتل عام کے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ مگر ایوان صدر کے حکام قوم کو اصل مجرموں کی شناخت کرانے کی بجائے کوشش کرر ہے ہیں کہ عام لوگوں کو تشویش میں ڈال کر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکیں۔

کل (پیر) کے روز کابل یونیورسٹی پر داعش کے حملہ آوروں نے خوفناک حملہ کیا، جس میں درجنوں طلبہ شہید اور زخمی ہوئے۔ کاروائی کے چند گھنٹے بعد داعش نے حملے کی ذمہ داری قبول کی۔ حملہ آوروں کی تصاویر شائع کیں، تحریری طور پر اعتراف کیا کہ حملے کا ہدف ججوں کی فراغت کی تقریب تھی۔ اس کے علاوہ حملے کے تمام کوائف ان حملوں سے مشابہ تھے، جو ماضی میں داعش کی جانب سے ہوتے رہے۔

مگر ان تمام شواہد کے باوجود اشرف غنی کے نائب اول امراللہ صالح اور سلامتی کونسل کے سربراہ حمداللہ محب نے داعش کو سانحے کے حقیقی مجرم کے طور پر متعارف کروایا اور نہ ان کے اس عمل کی مذمت کی، بلکہ میڈیا کے سامنے داعش کے ایک وکیل صفائی کی حیثیت سے پیش ہوئے۔ انہوں نے داعش کو اس جرم سے مکمل طور پر بری کرتے ہوئے کہا کہ داعش والے ایسی کارروائیاں انجام نہیں دیتے ، اور انتہائی ڈھٹائی سے اس وحشت کی نسبت امارت اسلامیہ کے مجاہدین کی طرف کی۔

چوں کہ ایوان صدر کے حکام اتنے سنگین جرائم کے باوجود پھر بھی داعش کے خلاف بیانات نہیں دیتے۔ میڈیا پر ان کو اس حملے سے بری قرار دیا جارہا ہے، ان کے وکیل بن کر ان کے جرائم کے ذمہ دار دیگر لوگوں کو ٹھہراتے ہیں۔ حتی کہ ان کے بارے میں مذمتی اور تنقیدی جملہ بھی نہیں کہتے۔ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ داعش اور ایوان صدر کے درمیان تعلقات اور دوستی کا ایک ایسا گہرا تعلق موجود ہے، جو عوام کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے، وہ تعلق جس کے ذریعے داعش کی قاتل گروہ کو ایوان صدر سے کنٹرول کیا جارہا ہے اور اپنے مذموم مقاصد کی خاطر اس طرح کے اندوہناک اور المناک ڈرامے بنائے جارہے ہیں۔

افغان عوام جانتے ہیں کہ امارت اسلامیہ کے زیر کنٹرول تمام علاقوں میں داعش کے پراسرار گروہ کا قلع قمع کردیا گیا ہے ۔ مگر کابل انتظامیہ کے زیر کنٹرول شہروں میں اب تک یہ گروہ سرگرم ہے، عوامی مقامات پر مسلسل حملے کررہا ہے اور شہریوں کے خون بہا رہا ہے۔

کابل انتظامیہ سے داعش گروہ کے تعلقات کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ داعش کبھی بھی سرکاری حکام اور فوجی مراکز پر حملے نہیں کرتے۔ ان کے حملے ہمیشہ غیر سرکاری مقامات مثلا ہسپتال، مسجد، یونیورسٹی، ورزش کلب، شادی ہال اور تعلیمی مراکز پر ہوتے ہیں، جس سے عام شہریوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ ان کے حملوں میں سرکاری حکام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایوان صدر کے حکام اس کے برعکس میڈیا میں داعش کا دفاع کرتے ہیں اور ان کے جرائم کا ذمہ دار دوسرے لوگوں کو ٹھہراتے ہیں۔

امارت اسلامیہ داعش کے جرائم کو امارت اسلامیہ کے مجاہدین سے جوڑنے کی ایوان صدر کے اس سفید جھوٹ کی سختی سے تردید کرتی ہے اور اسے ایک شرمناک عمل سمجھتی ہے۔ ایوان صدر کے عہدیداروں کو اس قدر

بے شرم نہیں ہونا چاہیے کہ عوام کے سامنے برملا جھوٹ بولیں اور عوام کی آنکھوں سے مجرموں کو چھپائیں۔ اس طرح کی حرکتیں صرف اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ایوان صدر کے عہدیدار بھی ان جرائم میں برابر کے شریک ہیں، اسی لیے حقیقی مجرموں کو بری کررہے ہیں اور میڈیا کے سامنے داعش کے وکلاء کا کردار ادا کررہے ہیں۔

بربریت کی انتہا اور میڈیا کی خاموشی

2020-11-12

ہفتہ وار تبصرہ

حالیہ دنوں میں مسلسل طور پر چند ایسی ویڈیو سوشل میڈیا میں وائرل ہورہی ہیں، جس میں امارت اسلامیہ کے گرفتار ہونے والے مجاہدین کو کابل انتظامیہ کے فوجی نہایت سفاکیت اور ظلم سے شہید کر رہے ہیں۔ ویڈیو میں صاف طور پر نظر آرہا ہے کہ زخمی حالت میں گرفتار ہونے والے مجاہد کو نہایت درندگی سے شہید کیا جارہا ہے۔ ایک اور ویڈیو میں وحشی درندے خون میں لت پت مجاہد کو نشانہ بازی کا ہدف بنارہا ہے ہیں، اور اپنی بندوقوں کا نشانہ پختہ کر رہے ہیں۔ کٹھ پتلی اہلکاروں کی وحشت اور ظلم پر مبنی مصدقہ ویڈیو اتنی دل خراش ہے کہ کچھ سوشل میڈیا ویب سائٹس میں اسے نشر کرنے کی سکت ہی نہیں ہے۔ بار بار نشر کرنے کے باوجود بھی ویب سائٹس کی جانب سے اسے حذف کردیا جاتا ہے۔

مگر مصدقہ اور ناقابل تردید ہونے کے باوجود ملکی اور غیر ملکی مقبول ذرائع ابلاغ نے ایک بار پھر اس مسئلے پر اپنی منافقت ثابت کردی اور کسی بھی مقبول میڈیا نے مظالم کے اس ویڈیو ثبوت پر کوئی رپورٹ یا خبر شائع نہیں کی۔ ہم روز دیکھ رہے ہیں کہ یہی ذرائع ابلاغ جعلی تصاویر اور ایڈیٹ شدہ ویڈیوز کی بنیاد پر طویل طویل رپورٹیں شائع کرتے ہیں، جو امارت اسلامیہ کو بدنام کرنے کی خاطر کابل انتظامیہ کی انٹلی جنس ایجنسی کی جانب سے نشر ہوتے ہیں۔

سڑک کی تباہی کی ایسی تصویر جس کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ یہ کہاں اور کونسی جگہ ہے، میڈیا پر لگاتار نشر ہورہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ طالبان نے روزگان میں سڑک تباہ کردی اور کبھی غزنی میں سڑک کی تباہی کا ذمہ دار طالبان کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ ایک چینل پر سڑک کی لمبائی" 600 میٹر "اور دوسرے پر" 600 کلومیٹر" بیان کی جارہی ہے۔ یہی تضاد خود ہی اس الزام کی جعلسازی ثابت کرتا ہے۔

لیکن جب غاصبوں اور ان کے کٹھ پتلیوں کے ظلم و بربریت کے ناقابل تردید ثبوت منظر عام پر آجاتے ہیں، تب یہی میڈیا منافقت کی خاموشی اختیار کرلیتا ہے۔ پھر یہاں انہیں نہ انسانی حقوق یاد آتے ہیں اور نہ آمیت کے وقار کا کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔ نہ ہی واقعات اور حوادث کے متعلق اطلاع کی سادہ سی ذمہ داری اور فریضہ ان کے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے۔

یہ صرف میڈیا نہیں ہے، بلکہ انسانی حقوق کی دعویدار تنظیموں اور گروہوں نے بھی مذکورہ وحشت کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ ایسی صورتحال سے دنیا اور خاص کر ہمارے ہموطن بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں، کہ موجودہ وقت میں آزاد اور غیر جانبدار میڈیا کے نام سے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ آزادی کا دعویدار میڈیا صرف اس فریق کے مفاد کے لیے کام کرتا ہے جس سے انہیں تنخواہیں ملتی ہیں۔

اسی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ میڈیا کی خبریں، فیصلے اور تجزیے کسی طرح بھی حقیقی صورتحال جاننے کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ جس طرح سے میڈیا میں امارت اسلامیہ پر بیشتر اوقات منفی الزامات لگائے جاتے ہیں، کبھی اسے امن مخالف قرار دیا جاتا ہے، کبھی ملک کی تعمیر و ترقی اور قومی منافع سے دشمنی کا الزام عائد کیا جاتا ہے یہ سب جھوٹ اور دشمن کے پروپیگنڈے کی جنگ کا ایک حصہ ہے۔

امارت اسلامیہ کی کارکردگی، موقف بلکہ پورے ملک کی مجموعی صورتحال کو میڈیا کی نظر سے اہل وطن نہ دیکھیں۔ موجودہ میڈیا گمراہ کن اور منافق ہے۔ ان کا کام حقائق کا انعکاس نہیں، بلکہ حقائق کی تحریف اور اسے اپنے مفاد کے مطابق تعبیر کرنا رہ گیا ہے۔ لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ سچ جھوٹ کی

پہچان کر سکیں تو تحقیق سے پہلے میڈیا پر اعتماد نہ کریں۔

استعمار کے جرائم ناقابل فراموش ہیں

2020-11-21

ہفتہ وار تبصرہ

افغانستان پر قبضے میں شریک ایک ملک (آسٹریلیا) کے حکام نے اعتراف کیا ہے کہ آسٹریلوی افواج نے افغانستان میں متعدد بے گناہ شہریوں کو بے دردی سے قتل کیا، ان پر تشدد کیا اور مختلف النوع جنگی جرائم انجام دیے۔ آسٹریلیا وہ ملک ہے، جس کا افغانستان کے قبضے میں حصہ نسبتاً کم تھا، آسٹریلوی افواج کو ہالینڈ آرمی کے ہمراہ افغانستان کے روزگان صوبے میں جارحیت اور قبضے کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی، لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آسٹریلوی افواج کے جرائم منظر عام پر آنا، عظیم اور ناقابل فراموش جرائم اور مظالم کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ آسٹریلوی افواج کے رونما ہونے والے جرائم گذشتہ 19 برسوں کے دوران انجام پائے ہیں۔ یہ محض ان جرائم کا ایک نمونہ ہے، جسے سیاسی پروپیگنڈوں اور مفادات تلے دبایا گیا ہے۔

تعجب یہ ہے کہ کابل انتظامیہ کے انسانی حقوق کمیشن نے تاحال ان جرائم پر خاموشی اختیار کی تھی۔ مگر جب آسٹریلیا نے جرائم کا اعتراف کیا، کابل انتظامیہ کے انسانی حقوق کمیشن نے بھی پہلی مرتبہ اس مسئلے کے متعلق اعلامیہ نشر کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام نہاد انسانیت کے علمبردار اور انسانی حقوق کے دیگر مقامی اور عالمی تنظیمیں فنڈنگ کرنے والے ممالک کے آلہ کار ہیں، ان کے حکم اور اشارے کے منتظر رہتے ہیں اور اس وقت تک کسی جرم کی مذمت اور تحقیقات کی جرائت نہیں کرتے، جب تک بیرونی آقاوں سے اجازت نہ مل جائے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ افغانستان پر مغربی غاصبوں کا حملہ انتہائی ناروا، غیر متوازن اور ظالمانہ جارحیت تھی۔ اس یلغار کے دوران دنیا کے درجنوں ممالک نے ہماری قوم کے قتل عام، گرفتاریوں اور محکوم بنانے کے لیے اتحاد کیا تھا، عوام ہر جانب سے بربریت و وحشت کی چکی میں پیسے جا رہے تھے۔ بمباریاں، رات کے چھاپے، بلڈزروں کے ذریعے گاؤں اور فصلوں کی تباہی، شہریوں کا غیر عدالتی قتل عام، تشدد اور جیلوں میں قیدیوں کی تذلیل واذیت اس حال میں جاری تھا کہ میڈیا اس کے بارے میں خاموش تھی اور عوام کو بھی خاموش رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔

جب ایک وحشی اور سفاک غاصب کسی قسم کی ذمہ داری، پوچھ گچھ، مقدمہ کی ساعت، سزا حتی کہ میڈیا پر شائع ہونے والی خبر کی خوف سے بھی آزاد اور ماوراء ہو، اسے کسی جانب سے کسی قسم کے پوچھ گچھ یا لفظی تنقید کا بھی خوف نہ ہو تو اور اس کے سامنے نہتے اور مظلوم انسان ہوں، تو آپ ہی تصور کیجیے کہ یہ وحشی غاصب اپنی ظلم اور درندگی میں کس حد تک جائے گا۔

ہمارے خیال میں افغانستان میں غاصبوں اور ان کے کٹھ پتلیوں کے 19 سالہ جرائم ایک ایسا انسانی مسئلہ ہے، جسے کسی صورت بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے قبل ہماری قوم کیساتھ روسی جارحیت کے زمانے میں بھی ایسی زیادتیاں ہوئی ہیں، پندرہ لاکھ شہداء کے قاتلوں سے کسی نے پوچھ گچھ تک نہیں کی۔ اس بار ایسا نہیں ہونا چاہیے، افغان مسئلے کے حل کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہاں انصاف لاگو کیا جائے۔ ظالم اور غدار کو ان کے اعمال کی سزا دی جائے، تاکہ مظلوم قوم کے دلوں کو سکون ملے اور مجرموں کو عبرت ناک سزا دی جائے۔

عوامی املاک کی حفاظت اہم ترین فریضہ ہے

2020-11-28

ہفتہ وار تبصرہ

حالیہ دنوں دشمن بار بار دعوی کر رہا ہے کہ امارت اسلامیہ کے مجاہدین عوامی املاک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ دشمن اس ویڈیو کو دلیل کے طور پر پیش کر رہا ہے، جس میں چند شہری صوبہ روزگان میں ایک تعلیمی ادارے سے مختلف النوع سامان اور وسائل لوٹ رہے ہیں۔

واضح رہے کہ امارت اسلامیہ بذات خود عوامی املاک پر تجاوز کرتی ہے اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو اجازت دیتی ہے کہ بیت المال کے سامان اور عوامی املاک و تنصیبات کو نقصان پہنچائیں۔ روزگان کا واقعہ غیر معمولی جنگی حالت کا ایک استثنائی واقعہ ہے۔ جن افراد نے تعلیمی مرکز کو لوٹا ہے، وہ مجاہدین نہیں بلکہ چند موقع پرست لٹیرے ہیں۔ اس حال میں کہ مجاہدین جنگ میں مصروف تھے، ان لٹیروں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیمی مرکز کے سامان کو لوٹ لیا۔ اس سلسلے میں امارت اسلامیہ کے مقامی عہدیدار سنجیدہ کوششوں میں مصروف ہیں، تاکہ لوٹے گئے سامان کو دوبارہ برآمد کریں اور لٹیروں کو شدید سزا دیں۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کے واقعات مختلف علاقوں میں چاروں کے ہاتھوں ہوتے ہیں، مجاہدین کو مورد الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ امارت اسلامیہ کی تاسیس کا ایک مقصد یہی تھا کہ ملک کو لٹیروں سے نجات دلائی جائے۔ ہمیں یاد ہے کہ کمیونزم کے خلاف جہاد کی کامیابی کے بعد بندوق برداروں اور ڈاکوؤں نے قومی خزانے کو لوٹنے کا عمل شروع کیا۔ عوامی املاک اور خزانے کے بیشتر حصے کو لوٹ لیا، جسے کباڑ کے نام پر ملک سے باہر بھیج دیا گیا۔ یہاں تک کہ اسی لوٹ مار کی روک تھام کی خاطر ملک کے دیندار طبقات نے قیام کیا۔ امارت اسلامیہ کی تاسیس عمل میں لائی گئی۔ لوٹ ماروں کو ملک سے مار بھگایا گیا اور قومی خزانے کی حفاظت کی گئی۔

چوں کہ اسلامی نظام کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری عوام کی جان و مال کی حفاظت ہے۔ امارت اسلامیہ عوامی املاک مثلاً ہسپتال، اسکول، یونیورسٹی، سڑک، پانی کے ڈیم وغیرہ عام المنفعہ تنصیبات کی حفاظت اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے۔ امارت اسلامیہ نے تمام مفتوحہ علاقوں میں عوامی املاک و مقامات کی حفاظت کی ہے اور اپنے وسائل کے دائرے میں تعمیر نو کے عمل کو بھی جاری رکھا ہوا ہے۔

امارت اسلامیہ نے ہمیشہ وعدہ کیا ہے اور اسے عملی طور پر ثابت بھی کر دیا ہے کہ اس کے زیر کنٹرول علاقوں میں قومی سرمایہ کو نقصان نہ پہنچے گا۔ روزگان کا واقعہ کسی صورت بھی ہماری پالیسی کا اظہار نہیں کرتا، بلکہ ایک مجرمانہ واقعہ ہے، جسے مقامی غنڈوں نے انجام دیا۔

ہمیں امید ہے، جیسا کہ میڈیا نے روزگان واقعہ کی وسیع کوریج کرتے ہوئے اسے اونچی سطح پر اجاگر کیا، اس سلسلے میں وضاحت اس امر کی ہے کہ مخالف فریق کے جان بوجھ کر جرائم پر کچھ نہ کچھ توجہ دیں۔ ان کی معلومات میں اضافے کے حوالے سے ہم کہیں گے کہ گزشتہ سال 2019ء میں کابل انتظامیہ اور اس کے بیرونی حامیوں کی جانب سے چھاپوں اور حملے میں 102 مساجد بموں یا فضائی حملوں سے منہدم ہوئیں۔ 14 مساجد کے دروازوں کو بموں سے اڑایا گیا۔ 18 اسکول، 20 صحت کے مراکز، 1650 عام شہریوں کے مکانات، 11 مدارس دینیہ کو جان بوجھ کر نشانہ بنایا گیا۔ اسی طرح 627 مکانوں اور دکانوں کے دروازے تباہ کیے گئے، اسے نقصان پہنچایا گیا ہے، کابل انتظامیہ کے عسکری اہلکاروں نے 1102 موٹر سائیکلیں نذر آتش کر دیں۔ درجنوں جانوروں، 260 سولرز اور عوام کے گھروں سے لاکھوں نقدی افغان فوجیوں نے لوٹ لیے۔ نیز دشمن کی جانب سے نہتے ہموطنوں کی گندم اور جو کے 42 فصلیں بھی جان بوجھ کر جلائی گئیں۔

مگر کابل انتظامیہ اور اس کے بیرونی حامیوں کے ان وسیع جرائم اور مظالم کے حوالے سے میڈیا کی اکثریت نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔

(پس تحریر نوٹ! یاد رہے کہ حال ہی میں جب شریعت کا یہ شمارہ تیاری کے آخری مراحل میں ہے، سکول میں لوٹ مار کے اس واقعے کی تحقیقات کرلی گئیں۔ امارت اسلامیہ کے مقامی ذمہ داران نے اسی ویڈیو کی مدد سے ان مقامی چوروں کو ڈھونڈ نکالا، جن سے تفتیش بھی کی گئی۔ تفتیش میں ان چوروں نے بتایا کہ طالبان سے شکست کھا کر کابل انتظامیہ کے کمانڈو اہلکار جب یہاں سے فرار ہو رہے تھے تو انہوں نے ہمیں اطلاع دی کہ طالبان کی آمد سے پہلے ہی آکر یہ سب کچھ لے کر چلے جاو۔ اس لیے ہم نے لوٹ مار کی۔ طالبان کے مقامی ذمہ داران نے لوٹا ہوا سارا سامان برآمد کر لیا ہے۔

اکیسویں صدی اور چین کی حیرت انگیز ترقی

حسن زوئی

اٹھارویں صدی میں جب چین اور برطانیہ کے درمیان جنگ ہوئی تو اس وقت چینی افواج کی تعداد دو لاکھ پچیس ہزار تھی لیکن اس کے باوجود برطانیہ کی انیس ہزار افواج سے شکست کھا گئی۔ اس شکست کے بعد چینی افواج نے اٹھارویں صدی کو ذلت کی صدی قرار دے دیا۔ اس کے بعد بیسویں صدی میں جب چین میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو چینی فوج خاصی طاقت ور ہو گئی۔ طویل عرصے تک خانہ جنگی میں مصروف رہنے کی وجہ سے چینی فوج نے کافی سارے تجربے حاصل کیے اور ایک ماہر فوج کے طور پر سامنے آئی۔ یہی وجہ تھی جب 1962 میں چین اور ہندوستان کے درمیان جنگ شروع ہوئی تو ہندوستان کو تاریخی ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اس جنگ کے بعد انڈین فوج چینی افواج سے اس قدر مرعوب ہوئی کہ آج تک اسی خوف میں مبتلا ہے۔ رواں سال 15 مئی 2020 کو جب چین اور ہندوستان کی افواج لداخ کے مقام پر آمنے سامنے ہو گئیں تو چینی افواج نے ہندوستانی فوج کے ایک آفیسر سمیت 20 فوجی پتھروں اور ڈنڈوں سے مار کر ہلاک کر دیے۔ ماضی میں چینی افواج کئی یونٹس میں تقسیم تھیں، ہر یونٹ نہایت سست ہوتا تھا۔ لیکن پچھلے پانچ سالوں سے چین نے اپنی افواج میں تبدیلی لائی ہے، انھیں پیشہ وارانہ طریقے سے تربیت دے کر انھیں عصری ٹیکنالوجی سے لیس کر دیا ہے۔ اب وہ جنگی میدان میں کافی چست و چالاک ہیں۔ چین طویل عرصے تک جاپان اور مغرب کا مستعمرہ رہا ہے لیکن خود چین نے آج تک کسی ملک پر جارحیت نہیں کی، اس لیے خطے کے ممالک ان سے جارحیت کا خوف نہیں رکھتے۔ رواں صدی کے اوائل میں چین ایک مضبوط اقتصادی قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا لیکن انہوں نے اس کا اظہار کبھی گوارا نہ کیا، کیوں کہ چین کی ریاستی پالیسی کے طور پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں "چین کسی بھی ملک پر سیاسی، فوجی، اقتصادی اور علاقائی طور جارحیت نہیں کرنا چاہتا، چین کی تمام تر توانائیاں دفاعی طور پر خود کو مضبوط کرنے میں صرف ہوں گی جو کہ چین کا مسلم حق ہے۔

چین نے جبوتی میں ایک فوجی اڈا بنالیا ہے لیکن وہ بھی دفاعی ہدف کے لیے۔ اس حوالے سے چین کا موقف ہے کہ بحر ہند میں اپنی تجارتی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے یہ فوجی اڈا بنالیا ہے۔ چین اگرچہ اقتصادی اور عسکری لحاظ سے خطے کے مضبوط ممالک میں سے ہے لیکن اس کے باوجود جنگوں سے خود کو دور رکھا۔ رواں صدی کے دوسرے عشرے میں جب امریکا نے انہیں للکارا تو چین نے محسوس کیا کہ اب جنگوں سے خود کو دور رکھنے کی پالیسی زیادہ دیر تک کارگر نہیں ہو سکتی، اس لیے اپنی فوجی مہمات بڑھانے کے لیے مزید وسائل خرچ کیے اور دفاعی قوت کو مزید بڑھایا۔ خصوصاً جب سے شی جن پنگ چین کے صدر بنے ہیں تب سے چین کی دفاعی قوت مزید مضبوط ہوئی ہے۔ کیوں کہ امریکا اس منصوبے پر کام کر رہا ہے کہ چین کے خلاف اتحاد میں ہندوستان، جاپان، تائیوان اور آسٹریلیا کو بھی حصہ دیں جو کہ چین کے لیے باعث تشویش ہے۔ تائیوان، جاپان اور آسٹریلیا تینوں کی چین کے ساتھ پرانی رقابت ہے لیکن اس کے ساتھ تعلقات سرد مہری کا شکار بھی نہیں ہونے دیتے۔ موجودہ وقت میں ہندوستان چین کے لیے ایک سنجیدہ مسئلہ بنا ہوا ہے۔

2014 سے جب سے ہندوستان میں نریندر مودی کی متعصب حکومت برسر اقتدار آئی ہے تب سے ہندوستان کی خارجہ سیاست میں واضح تبدیلی آئی ہے۔ مودی اور اس کی کابینہ ہندوؤں میں مقبولیت کی خاطر فوج کی تعداد میں اضافے کے خواہاں ہیں تاکہ خطے کے دیگر ہمسایہ ممالک میں اپنی چوہدراہٹ برقرار رکھیں۔ مزید یہ کہ چین جیسی مضبوط معاشی قوت کو بھی چیلنج کر سکیں۔ ہندوستان کی چین کے ساتھ تقریباً 4 ہزار کلو میٹر طویل سرحدی پٹی مشترک ہے جس میں بیس مقامات پر دونوں ممالک کے درمیان تنازعہ ہوتا رہتا ہے۔

ان بیس مقامات پر دونوں ممالک اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے وہاں سڑکیں، پل اور فوجی چھاؤنیاں تعمیر کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں دونوں ممالک ایک

دوسرے پر تجاوز کے الزامات بھی لگاتے رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں معمولی جھڑپیں بھی ہوتی رہتی ہیں، جیسے 15 جون کو لداخ کے مقام پر دونوں کے درمیان جھڑپ ہوئی، چینی افواج نے فائرنگ کی بہ جائے مکوں اور لاتوں سے ایک آفیسر سمیت 20 فوجی اہل کار ہلاک کیے۔ لیکن یہ ہندوستان کی حماقت ہے کہ چین کی خوش گوار تعلقات کی خواہش کے باوجود وہ ہندؤوں میں مقبولیت اور مغرب کی خوشی کی خاطر دیگر پڑوسیوں سمیت چین کے ساتھ بھی تعلقات خراب کر رہا ہے۔ حالاں کہ چین نہ صرف اقتصادی طور پر بلکہ عسکری طور پر بھی وہ ہندوستان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ اب بھی وہ خود کو فوجی لحاظ سے خود کو مزید مضبوط کر رہا ہے، اس پر اربوں ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ ہندوستان پچھلے 73 سالوں میں غربت پر قابو نہ پاسکا بلکہ ہر سال غربت کی شرح میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے تازہ سروے میں یہ انکشاف کیا گیا کہ ہندوستان کی 28 فی صد آبادی یعنی پانچ کروڑ لوگ غربت کی لکیر کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ صاف پانی پینے سے محروم، بھوک و افلاس اور صاف کپڑے زیب تن کرنے کو نہیں مل رہیں۔ جب کہ چین نے پچھلے 40 سالوں میں غربت پر مکمل کنٹرول حاصل کر کے عوام کو غربت سے بچا لیا۔

امریکی جی ڈی پی (ٹیکس سے درآمدہ شدہ رقم) 21 کھرب ڈالر ہیں۔ چین امریکا کے بعد دوسرا بڑا ملک ہے جس کی جی ڈی پی 14 کھرب ڈالر ہیں۔ ہندوستان دنیا کی پانچویں بڑی اقتصادی قوت ہے جس کی جی ڈی پی محض 3/25 ہے، یعنی چین کے ایک چوتھائی سے بھی کم ہے۔ امریکا کی فوجی بجٹ 721 ارب ڈالر ہیں، چین دوسرا بڑا ملک ہے جس کی فوجی بجٹ امریکا کے بعد سب سے زیادہ یعنی 241 ارب ڈالر ہیں۔ جب کہ ہندوستان کی فوجی بجٹ صرف 71 ارب ڈالر ہیں۔ یہ پوری دنیا میں تیسرا بڑا بجٹ ہے لیکن چین کے بجٹ کا ایک تہائی بھی نہیں ہے۔ یہ بجٹ بھی ہندوستان کے عوام پر بہت بوجھ ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے عوام کی غربت کی یہی بڑی وجہ ہے۔ چین کے صدر شی جن پنگ نے فوجی اصلاحات کے سلسلے میں فوج کی تعداد 13 لاکھ سے کم کر کے 10 لاکھ کر دی کیوں کہ کم تعداد کی فوج کو جلدی منظم کیا جاسکتا ہے۔ فوج کی تعداد کم کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں جدید ٹیکنالوجی سے بھی لیس کر دیا ہے تاکہ وہ پہاڑوں میں سفر میں رہنے اور سفر کرنے کے قابل ہو۔ اس سلسلے میں چین کو کافی کامیابی ملی ہے۔ اسی طرح چین کی بحریہ بھی پچھلے چھ سالوں سے کافی مضبوط ہوئی ہے۔

چین دنیا بھر میں سب سے زیادہ جنگی جہاز رکھنے والا ملک ہے۔ انہوں نے طیارے لے جانے والی بڑی کشتیوں، جنگی سمندری جہاز بنانے پر کافی توجہ دی ہے۔ اسی وجہ سے وہ بحر الکاہل اور بحر ہند میں حریفوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔ چین کی سب سے بڑی کامیابی اسلحہ سازی میں خود کفیل ہونا ہے۔ ماضی میں چین بیرونی دنیا سے اسلحہ خریدتا لیکن چینی صدر نے اصلاحات کے سلسلے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے لیے 15 سو ارب ڈالر مختص کیے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب چین چھوٹے بڑے اسلحے خود ہی بنا رہا ہے۔ کئی ممالک کو اسلحے فروخت کر رہا ہے اور اب امریکا کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اسلحہ ساز ملک ہے۔

چین کی فوجی معاملات کے حوالے سے پالیسیاں بنانے کا اختیار چین کے اعلی عسکری کمیشن کے پاس ہے جس کے سربراہ چینی صدر شی جن پنگ ہیں۔ اس لحاظ سے فوج کا اصل سربراہ چینی صدر شی جن پنگ ہے۔ چینی صدر نے چین کے میزائل نظام کو جدید خطوط پر استوار کیا ہے۔ ڈی ایف 17 اور فضا میں نشانہ بنانے والے طیارے پی آئی 21 تیز ترین میزائل ہیں۔ وہ انہی جدید میزائلوں کی وجہ سے خطے کے تمام حریف ممالک کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چینی صدر نے 2015 میں اپنی فوج میں راکٹ فورس کے نام سے ایک الگ برانچ قائم کیا جس میں فوجیوں کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار ہے۔ اسی طرح انہوں نے 2015 میں اسٹریٹجک سپورٹ فورس کے نام سے مستقل فوج بنائی جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہے۔ ان کا کام دوران جنگ دشمن کے اسٹریٹجک اہداف کو نشانہ بنانا ہے۔ ان کے وسائل کو مفلوج کر کے انہیں نفسیاتی طور پر ہرانا ہے، دنیا بھر میں کسی بھی ملک کے پاس اس نوع کی فوج نہیں ہے۔ اسی طرح جنوری 2016 میں لاجسٹک سپورٹ فورس کے نام سے ایک مستقل فوج بنائی جس کا کام جنگ اور امن میں فوج کو اسلحہ اور دیگر ساز و سامان فراہم کرنا ہے۔ اسی فوج نے حال ہی میں لداخ کے مقام پر نہایت کم وقت میں لڑنے والی افواج کو اسلحہ اور جنگی وسائل پہنچائے۔

چین کے ان اصلاحات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہے کہ مستقبل قریب میں چین امریکا کی طرح ایک مضبوط و مستحکم ملک بن جائے گا۔

اشرف غنی، مغرب کی فکری و تہذیبی جارحیت کا آلہ کار

حبیب مجاہد

اشرف غنی نے 2014 میں آتے ہی امریکا کے ساتھ اسٹریٹیجک معاہدے پر دستخط کیے، جس کی وجہ قوم اسے استعماری قبضے اور موجودہ جاری جنگ کا اصل عامل قرار دیتی ہے۔اب بھی 29 فروری کے معاہدے کے بعد وہ شب و روز خارجی قوتوں سے جنگ مزید آگے بڑھانے کے لیے درخواستیں کرتا پھرتا ہے۔تو دوسری جانب اس کے ساتھ ساتھ ایک اور جنگ بھی اس نے شروع کر رکھی ہے۔اشرف غنی کا یہ دوسرا اقدام پہلے سے زیادہ خطرناک ہے، کیوں کہ اس میں ہمارے دینی اقدار، ثقافت، کلچر، رواج و اخلاق اور روحانیت کا قتل ہو رہا ہے اور نوجوان نسل کو فکری انحراف میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔

آپ کے علم میں ہوگا کہ اشرف غنی کے آنے کے ساتھ ہی کابل اور دیگر شہروں میں عورتوں کی بے حیائی، ناچ گانے کے محافل، مردوں عورتوں کے اختلاط، بے حجابی کے نمائشی پروگرام اور دیگر شرمناک کے تقریبات میں اضافہ ہوا ہے۔اس کے ساتھ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مختلف اداروں کے اندر انتظامی عہدوں پر تعیناتی میرٹ اور اہلیت کی بنیاد پر نہیں کی جارہی، بلکہ اس کے لیے اصول یہ طے ہوا ہے کہ جو جتنا مغربی فکر اور نظریہ کا وفادار ہوگا اس قدر وہ عہدہ کا اہل شمار کیا جائے گا۔

اشرف غنی کے دور اقتدار میں صدارتی ہاؤس بڑوں اور تجربہ کار افراد سے یکسر خالی کر دیا گیا ہے۔اقتدار مغرب سے آئے نیم افغانوں اور نوجوان لڑکیوں کے حوالہ کر دیا گیا ہے جن کی ساری قابلیت زیب و زینت اور آرائش سے زیادہ کچھ نہیں۔اس طرح کے تعیناتیوں کے ساتھ بے شرمی، بے حیائی اور بدنامی و رسوائی کے ایسے واقعات رونما ہوئے جن کے لکھنے سے قلم قاصر ہے۔

اشرف غنی کی کوشش اب یہ ہے کہ ہمارے دینی اقدار اور اسلامی سچی تہذیب کے خلاف یہ جاری جنگ تمام صوبوں اور شہروں تک پھیلائے۔موصوف نے گزشتہ دنوں اعلان کیا کہ تمام صوبائی گورنرز کے ساتھ نوخیز لڑکیاں بحیثیت مشیر کام کریں گی۔بعض صوبوں میں پولیس کی بعض اہم ذمہ داریاں ان لڑکیوں کو سپرد کی ہیں جن کی تمام تر صلاحیت اور کوائف محض فلمی اداکاری ہے۔یہ سب کچھ محض اتفاقی اور حادثاتی نہیں بلکہ یہ سب کچھ ایک بنے بنائے منصوبہ کے پیش نظر ہمارے دین، کلچر اور اسلامی و اخلاقی معاشرتی زندگی کے خلاف ایک نئی جنگ کی سنگ بنیاد ہے، جو عورتوں کے حقوق کے نام پر شروع کی جارہی ہے۔

ہم اگر گزشتہ استعمار کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو نظر آتا ہے کہ اس وقت بھی استعماری قوتوں نے انخلاء اس وقت مکمل کی جب مقبوضہ علاقوں میں اپنے کلچر اور تہذیب کے زہریلے اثرات بسا دیئے۔انہیں اپنے رنگ میں رنگ دیا۔اپنی افکار، عادات، قوانین اور زندگی کے اصول ان پر مکمل لاگو کر دیے۔انہیں فکری اور تہذیبی غلامی میں جکڑ دیا۔اس وقت آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اکثر اسلامی ممالک انگریز کے پنجہ سے آزاد ہیں اور انگریز کا وہاں وجود نہیں ہے مگر انگریزیت وہاں پوری آب و تاب سے قائم ہے۔قوانین، آداب، کلچر، حکومت اور اجتماعی زندگی میں وہ انگریز کا نمونہ ہیں اور آج بھی لندن ان کا فکری اور تہذیبی قبلہ ہے۔

یہ جو اب استعماری طاقتیں افغانستان سے حالت فرار میں ہیں اس لیے آخری موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فکری اور تہذیبی فعالیت کو بڑی تیزی سے جاری رکھے ہوئے ہیں تاکہ کم مدت میں زیادہ کام نکال سکیں۔اسی لیے اشرف غنی ان کی فرمائش پر بے حیا عورتوں کی تعیناتی، تشہیر اور اس طرح کے معاملات کو لانے میں زور لگا رہا ہے۔اس کے ساتھ ہی میڈیا میں یہ پروپیگنڈا مہم تیزی سے شروع کر رکھی ہے کہ انیس سالہ دور کی کامیابیوں اور ترقیوں کا تحفظ کیا جائے۔

ان کی انیس سالہ کامیابیاں درحقیقت وہ کچھ ہیں جنہیں مسلمان ملت اپنا خسارہ کہہ سکتی ہے۔کیونکہ انہوں نے ہماری قوم کو صرف اور صرف بے حیائی، حرام خوری، چوری ڈاکہ، ظلم و غصب، سود و جوا، اخلاقی جرائم اور دیگر بیہودہ چیزیں دی ہیں۔اور اب مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ جارحیت کے خاتمہ کے بعد بھی جاری رہے۔

اس حساس اور نازک مرحلہ پر ہمارے مجاہدین کو جس طرح عسکری میدان میں چاق و چوبند رہنے کی ضرورت ہے اسی طرح فکری، تہذیبی اور ثقافتی میدان میں بھی قلم اور زبان سے دشمن کے حملوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہوگا۔اشرف غنی اور دیگر سیکولر ذہنیت رکھنے والے لوگوں کی اس طرح اسلام اور تہذیب دشمن کاموں کو آشکارا کر کے قوم کو اس سے آگاہ کیا جائے تاکہ بروقت اس کا ادراک کر کے اس کا سد باب کیا جاسکے۔

کابل کے وحشی اہلکار یا امریکیوں کے ہتھیار

الافغانی

جب بھی جارحیت پسندوں نے کسی ملک پر حملہ کیا ہے تو وہاں ظلم وستم کی داستانیں رقم کی ہیں۔ جبکہ دوسری جانب جارحیت پسندوں کا ساتھ دینے والے داخلی غلاموں نے اپنے ہی ملک کے باسیوں پر ظلم ووحشت میں جارحیت پسندوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ افغانستان پر امریکی جارحیت سے اب تک اگر جارحیت پسندوں اور کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کے مظالم اور وحشتوں کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کٹھ پتلی انتظامیہ کے مظالم کی شرح جارحیت پسندوں کے مظالم سے زیادہ ہے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیں کہ امریکی جہاں بھی چھاپہ مارتے ہیں تو کٹھ پتلی اہلکار ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جس گھر پر چھاپہ پڑتا ہے سب سے پہلے اس گھر میں کٹھ پتلی اہلکار ہی داخل ہوتے ہیں، جب کسی مجاہد کے ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالنے کا وقت آتا ہے تو یہ کام بھی اسی غلام اور کٹھ پتلی کے ذمے ہوتا ہے۔ امریکی انہیں ایک آلے اور ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں، ان کی حیثیت امریکی حکم کے تابع خونخوار جانوروں کی ہے۔

معراج الدین زابلی ایک مجاہد طالب ہے وہ بتا رہے تھے کہ ہر ہفتے ہمارے ساتھیوں پر چھاپہ پڑتا، جس ہفتے چھاپہ نہیں پڑتا تو ہم انتظار کرتے کہ چھاپہ کب پڑے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ :جب امریکیوں کا چھاپہ پڑتا تو ہم عام شہریوں میں گھل مل جاتے، امریکی آکر چھاپہ مارتے، ان کی گفتگو ہمیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، اس طرح وہ ہمیں گرفتار کیے بغیر واپس روانہ ہوجاتے۔ لیکن جب کابل کی کٹھ پتلی غلاموں کا چھاپہ پڑتا تو ہر قسم کے اخلاقی اور انسانی اقدار سے ماوراہو کر فحش زبان استعال کرتے، لوگوں پر تشدد کرتے حتی کہ خواتین اور بچوں کو بھی معاف نہیں کرتے، اس لیے کہ وہ انہیں طالبان کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔

حال ہی میں ایک ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی جس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کے اہلکاروں نے صوبہ زابل کے ضلع ارغنداب میں شہید طالبان کی لاشوں کی نہ صرف یہ کہ بے حرمتی کی بلکہ کلہاڑیوں سے ان کے جسموں کے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ اسی طرح لغمان میں چار طالبان مجاہدین کو گرفتار کیا گیا۔ جس کے بعد ان کی لاشیں ایک ویرانے سے ملیں، ان کی جسموں کے بھی کئی ٹکڑے کیے گئے۔ اس طرح کے مظالم ناقابل برداشت اور ناقابل معافی ہیں۔

اس قسم کے ہزاروں وحشت بھری کہانیاں ہیں جو انہی غلاموں نے ہمارے ساتھیوں کے ساتھ کیے ہیں۔

قندہار کے ہزاروں نوجوانوں کی لاشیں وہاں کے ریگستانوں اور خفیہ جیلوں کی نذر ہوئیں۔ قندوز کے نورانی چہروں والے حفاظ پر بموں کی بارش کردی گئی۔ سنگین کے بازار پر مارٹر گولے برسا کر درجنوں افراد کو موت کی نیند سلادیا گیا۔ اروزگان کے غیور عوام کی زندگی اجیرن بنا کر ان کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا، سرعام سنت نبوی کی بے حرمتی کرتے ہوئے لوگوں کی

ڈاڑھیاں کاٹی گئیں۔ غزنی کے عوام اور پردہ دار خواتین کے سروں سے دوپٹے چھین لیے گیے۔ زرمت کے ہر گھر سے جنازے نکلے۔

اگر ہم ہر صوبے میں کابل کے کٹھ پتلی اہلکاروں کے مظالم کو قلم بند کرنا چاہیں تو اس سے کئی جلدوں کی کتاب تیار ہو جائے۔

کفار یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان اسلامی نظام کے سائے میں آرام وسکون کی زندگی بسر کریں۔ وہ کبھی بھی مسلمانوں کے خیر خواہ اور ہمدرد نہیں ہو سکتے، وہ مسلمانوں سے صرف اس صورت میں راضی ہو سکتے ہیں اگر وہ اپنا دین چھوڑ کر ان کے باطل دین کی پیروی شروع کریں۔

آج امریکا اور ان کے ہم فکر نام نہاد افغان اگر انسانی حقوق، ملکی آئین، خواتین کے حقوق جیسے نعرے لگا رہے ہیں اس سے یہ لوگ در حقیقت افغان سماج کو دھوکہ دے رہے ہیں کیوں کہ ان خوشنما نعروں کے تحت یہ ٹولہ مغرب سے لائی گئی متعفن جمہوریت اور اسلام دشمن قوانین کا نفاذ چاہتا ہے۔

اگر ان کے قول وفعل میں تضاد نہیں تو پھر انسانی حقوق کی جھلک گوانتاناموبے، بگرام، پل چرخی اور قندہار کے وحشی عقوبت خانوں میں نظر کیوں نہیں آتی۔ کیا قیدیوں سے تفتیش کے نام پر انسانیت سوز مظالم ان کی انہیں انسانی حقوق کے نعروں سے متصادم نہیں؟

قندہار کے اس واقعے کا میں عینی شاہد ہوں۔ ایک دن مدرسے کا ایک طالب علم مدرسے سے گھر کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں کٹھ پتلی اہلکاروں نے انہیں روک لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ اپنی خفیہ جیل میں تفتیش کے دوران اس پر اتنا تشدد کیا تھا کہ رہائی کے بعد اس کے والد اپنے بچے کو پہچان نہیں سکے تھے۔ تشدد کے دوران ان اہلکاروں نے طالبعلم کو زبردستی 30 سے زیادہ لیٹر پانی بھی پلایا تھا۔ جس کے بعد اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔

یہ سلوک صرف ایک عام راہگیر کے ساتھ کیا گیا جس کا جرم صرف مدرسے کا طالب علم ہونا تھا، اب قیدی مجاہدین کے ساتھ ان کا رویہ کیا ہو گا آپ آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کیا یہی انسانی حقوق ہیں؟

کیا یہ افغان آئین ہے؟

کیا یہی دو عشروں کی جارحیت کا ثمر ہے؟

اشرف غنی اینڈ کمپنی جو صدارتی محل کی چار دیواری میں مقید ہے انہیں مظلوم افغانوں کی حالت زار سے کوئی سروکار نہیں، انہیں اپنے مفادات اور بینک بیلنس کی فکر ہے، چاہے ان کی خواتین کی عزتیں نیلام ہوں انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ بلٹ پروف گاڑیوں میں بیٹھ کر اس غلامی پر فخر بھی کرتے ہیں۔

ان کے سامنے افغانستان کی تاریخ اہمیت نہیں رکھتی، وہ محمود غزنوی کے کارناموں کو خاطر میں نہیں لاتے، انہیں احمد شاہ ابدالی کی فتوحات بھی فتوحات نہیں لگتیں اور نہ انہیں میرویس خان ہوتک کے زرین دور کی فکر ہے۔

ان کے سامنے اہمیت ہے تو اس بات کی ہے کہ جارحیت پسند امریکیوں کے حکم پر چند ڈالروں کے عوض اپنے بہن بھائیوں کو یتیم کروانا، اپنی سرزمین پر کفار کے لیے آلہ کار کے طور پر خدمت کرنا، اپنے علماء کو ان کے حکم پر خون میں نہلانا اور کفار کی جیلوں کو اپنے ملک کے غیور مجاہدین سے بھرنا۔

اپنے بہادر عوام کے میڈلز کفار کے سینوں پر لگانا ہی یہ اپنے لیے ملک کی خدمت، آزادی اور خود مختاری سمجھتے ہیں۔ ان جیسے غلاموں سے خیر کی توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی۔

جنگی جرائم نومبر 2020

سید سعید

یکم نومبر 2020 کو صوبہ بدخشاں کے دارالحکومت کے نواحی علاقہ میں سرکاری فضائی حملے میں دو شہری شہید ہوگئے۔

یکم نومبر کو فراہ کے دارالحکومت نواحی علاقے غلامان میں سیکورٹی فورسز نے ایک شہری کے گھر پر چھاپہ مارا، مکان کے مالک کو شہید کردیا اور اس کی اہلیہ کو زخمی کردیا۔

یکم نومبر کو صوبہ بدخشاں کے دوآبہ گاؤں میں سیکورٹی فورسز کے مارٹر حملے میں دو شہری شہید ہوگئے۔

یکم نومبر کو صوبہ خوست کے ضلع صبری کے گاؤں پہنگل نام اور اوشکیڈنڈ میں پولیس اہل کاروں کی فائرنگ سے چار شہری شہید ہوگئے۔

2 نومبر کو صوبہ بدخشان کے ضلع دیفتل پاین کے گاؤں پہاز نگ میں پولیس اہل کاروں نے ایک شہری (عبدالحکیم) کو شہید کردیا۔

2 نومبر کو صوبہ غزنی کے ضلع خواجہ عمری کے گاؤں برات خیل میں دشمن کے لڑاکا طیارے نے ایک مسجد پر بمباری کی، جس میں ایک نمازی شہید اور دوسرا زخمی ہوگیا۔

3 نومبر کو سرکاری فضائیہ نے صوبہ غزنی کے ضلع خوگیانی کے گاؤں قل کرک میں ایک مسجد پر بمباری کی۔ اس بمباری میں مسجد شہید ہوگئی لیکن کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔

3 نومبر کو صوبہ دایکنڈی کے ضلع گیزاب کے دیغیرو کے علاقے میں سیکورٹی فورسز نے بچوں کے کھیل کے میدان پر گولہ باری کی جس کے نتیجے میں 6 بچے شہید اور زخمی ہوگئے۔

3 نومبر کو افغان فوج نے صوبہ کنڑ کے ضلع زرنگ کے علاقے باڈیل درہ کے صوفہ غونڈی میں گھروں پر چھاپہ مارا، دو شہریوں کو شہید اور متعدد شہریوں کے گھروں کو نقصان پہنچایا۔

3 نومبر کو صوبہ قندوز کے ضلع خان آباد کے علاقے نواب آباد میں پولیس اہل کاروں کی فائرنگ سے 3 خواتین اور دو بچے شہید ہوگئے۔

4 نومبر کو صوبہ بلخ ضلع زارع کے علاقے عرب قشلاق میں سیکورٹی فورسز نے رہائشی علاقوں پر گولہ باری کی جس کے نتیجے میں تین افراد زخمی ہوگئے۔

4 نومبر کو صوبہ قندوز کے ضلع خان آباد کے علاقے نوآباد میں سرکاری طیاروں نے عام شہریوں کے اس جمع غفیر پر بمباری کی جو طالبان کی جانب سے مفتوحہ فوجی اڈے کی سیر کے لئے آئے تھے، اطلاعات کے مطابق اس حملے میں 13 شہری شہید اور 17 شہری زخمی ہوگئے۔

4 نومبر کو صوبہ قندوز کے ضلع خان آباد کے نوآباد کے علاقے میں سرکاری فضائی حملے میں ایک بچہ شہید اور تین شہری زخمی ہوگئے۔

4 نومبر کو صوبہ سرپل کے دارالحکومت کے نواحی علاقے کورک عربیہ میں سرکاری فوجیوں کی گولہ باری سے دو خواتین اور ایک بچہ زخمی اور ان کے مکانات کو نقصان پہنچا۔

4 نومبر کو سیکورٹی فورسز نے صوبہ غزنی کے ضلع شلگر کے گاؤں سلطان باغ پر مارٹر فائر کیا، جس کے نتیجے میں ایک بچہ سمیت دو افراد شہید ہوئے۔

5 نومبر کو صوبہ ہلمند کے ضلع ناوا کے گاؤں عینک دلاوی میں سیکورٹی فورسز کے مارٹر حملے میں ایک خاتون شہید اور ایک بچی زخمی ہوگئی۔

6 نومبر کو صوبہ ننگرہار کے ضلع خوگیانی کے علاقے ستری ترمی اور کمی ترمی میں سرکاری فوجیوں نے لوگوں کے گھروں پر فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں ایک خاندان کے 6 افراد زخمی ہوگئے اور ایک بچہ شہید ہوگیا۔

7نومبر کو صوبہ بلخ کے ضلع زارع کے مرکز کے قریب سرکاری فضائیہ کی بمباری میں ایک پیش امام شہید اور 6افراد زخمی ہوگئے۔

7نومبر کو جلال آباد شہر کے نواحی علاقے میں سرکاری فوجیوں نے اسد نامی طالب علم کو اس کے اہل خانہ کے سامنے شہید کر دیا۔

8نومبر کو صوبہ پکتیکا کے ضلع خیر کوٹ کے گاؤں باکی خیل میں سیکورٹی دستوں نے حضرت عمر نامی شہری کو شہید کر دیا۔

8نومبر کو صوبہ ہرات ضلع غوریان کے بازار میں حکومت نواز ملیشیا (سنگوریوں) کے ہاتھوں ایک شہری شہید اور ایک اور زخمی ہوگیا۔

9نومبر کو صوبہ بلخ کے ضلع کشندہ کے نواحی علاقے میں اربکی ملیشیا کے اہل کاروں نے ایک مکان پر حملے کے دوران ایک عورت اور ایک بچہ کو شہید ہوگیا۔

9نومبر کو صوبہ قندھار کے ضلع ژیڑی کے گاؤں سنگ حصار دیوارو میں افغان فضائیہ نے ایک مکان پر بمباری کی جس میں دو خواتین شہید ہوگئیں۔

10نومبر کو صوبہ پکتیکا کے ضلع خوشامند کے ماموں خیل گاؤں میں سرکاری فوجیوں کی گولہ باری سے چار شہری زخمی ہوگئے۔

10نومبر کو سیکورٹی فورسز نے صوبہ پروان کے ضلع شنواری کے علاقے دراز گر پر مارٹر فائر کیا، جس کے نتیجے میں 80 سالہ عالم دین مولوی برہان الدین شہید ہوگیا۔

10نومبر کو صوبہ جوزجان کے ضلع فیض آباد کے گاؤں حیدر آباد میں دشمن کے فضائی حملے میں تین شہری (خدائی قل، اس کا بیٹا اور ایک اور شخص) شہید ہوگئے۔

11نومبر کو صوبہ غزنی کے ضلع شلگر کے گاؤں نیاز اللہ میں سیکورٹی فورسز کے مارٹر حملے میں 3 بچے زخمی ہوگئے۔

11نومبر کو سرکاری طیاروں نے صوبہ قندوز کے ضلع خان آباد کے علاقے اختر تیپہ کے قریب شہریوں کے گھروں پر بمباری کی جس میں دس شہری شہید اور زخمی ہوئے۔

12نومبر کو صوبہ پروان کے ضلع شنواری کے علاقے راز گرد میں سرکاری فوج کے مارٹر حملے میں ایک شہری شہید، دو خواتین اور ایک بوڑھا شخص زخمی ہوگیا۔

12نومبر کو صوبہ فاریاب کے ضلع قیصار کے علاقے سر آسیاب میں سیکورٹی فورسز کے مارٹر حملے میں دو خواتین اور چار بچے زخمی ہوگئے۔

12نومبر کو سرکاری فوجیوں نے صوبہ غزنی کے ضلع شلگر کے گاؤں لعلی وال پر گولہ باری کی جس سے ایک خاتون شہید، ایک خاتون زخمی ہوگئی۔

12نومبر کو صوبہ خوست کے صدر مقام کے نواحی علاقے منگسو گاؤں میں سیکورٹی فورسز نے ایک شہری کے گھر پر چھاپہ مارا، مکان کے مالک کو حراست میں لیا اور بعد ازاں شہید کر دیا۔

14نومبر کو صوبہ بدخشاں کے ضلع ارگو کی وادی غوزک میں سیکورٹی فوج کی فائرنگ سے ایک خاتون سمیت چار افراد شہید اور زخمی ہوگئے۔

17نومبر کو سیکورٹی فورسز نے صوبہ قندوز کے علاقے گل تپہ میں مقامی لوگوں کے گھروں پر گولہ باری کی جس سے خواتین اور بچوں سمیت 5 افراد شہید اور 6 افراد زخمی ہوگئے۔

17نومبر کو صوبہ روزگان کے ضلع دہراود کے علاقے دیہ شیخ میں افغان فضائیہ کی بمباری میں ایک بچہ اور ایک شخص شہید ہوگیا۔

17نومبر کو صوبہ ہلمند کے ضلع ناوا کے گاؤں گوہر گین میں سیکورٹی فورسز کے مارٹر حملے میں ایک خاتون اور تین بچے شہید ہوگئے۔

17نومبر کو صوبہ خوست کے صدر مقام بازار میں افغان اہل کاروں نے ایک ڈینٹل کلینک پر چھاپہ مارا، اسی کلینک سے صدیق حسین نامی ایک ڈاکٹر کو گرفتار کیا اور پھر صحرا باغ میں اسے شہید کر دیا۔

18نومبر کو کابل کے ضلع موسہی کے گاؤں چہار سوق میں اسکول کے قریب سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں ایک بچہ شہید ہوگیا۔

18نومبر کو صوبہ غزنی کے ضلع مقر کے بازار میں اربکی ملیشیا کے اہل کاروں نے عبد الحمید نامی شہری کو شہید اور دو دیگر کو زخمی کر دیا۔

19نومبر کو صوبہ لغمان ضلع قرغہ کے علاقے چار باغ میں سرکاری فوجیوں نے پہلے ایک مقامی ڈاکٹر کے گھر پر چھاپہ مارا اور پھر اسی گھر پر بمباری کی، جس کے نتیجے میں ڈاکٹر خاکسار شہید ہوا اور اس کا بھتیجا سیکورٹی فورسز نے حراست میں لیا۔

20نومبر کو قابض افواج اور افغان فورسز نے صوبہ دایکندی کے ضلع گیزاب میں رہائشی علاقے پر بمباری کی جس میں خواتین اور بچوں سمیت پانچ افراد شہید اور دو بچے زخمی ہوگئے۔

21نومبر کو خوست کے دارالحکومت کے نواحی علاقے خانی خور میں افغان فوجیوں نے ایک چھاپے کے دوران دو عام شہریوں (نور رحمان اور خیر اللہ) کو گھروں سے حراست میں لیا اور پھر انہیں شہید کر دیا گیا۔

21نومبر کو صوبہ قندھار کے ضلع تخت پل کے گاؤں ماکیان میں دینی مدرسے کے ایک عالم، مولوی خدائی نظر جو گاؤں کے بچوں کو پڑھا رہے تھے، سیکورٹی اہل کاروں نے مدرسے سے حراست میں لیا اور پھر گاؤں کے وسط میں شہید کر دیا اور بعد ازاں فوجی گاڑی سے باندھ کر اپنی چوکی تک گھسیٹا۔

22نومبر کو صوبہ فاریاب کے ضلع قیصار کے علاقے ارضلیک میں سیکورٹی فورسز کی گولہ باری کے نتیجے میں دو شہری شہید ہوئے۔

23نومبر کو سیکورٹی فورسز نے صوبہ زابل کے ضلع ارغنداب کے گاؤں سرخسنگ میں ایک معمر شخص حاجی آغا محمد اکا کو شہید کر دیا۔

24نومبر کو اربکی ملیشیا کے اہل کاروں صوبہ سرپل کے ضلع گوسفندی کے علاقے الغن میں ایک شہری کو شہید کیا۔

24نومبر کو سرکاری فوج نے صوبہ فاریاب کے ضلع المار میں سی ایچ سی پلس کلینک پر مارٹر حملہ کیا جس سے کلینک کو نقصان پہنچا۔

24نومبر کو صوبہ بغلان کے ضلع نہرین کے گاؤں حاجی امان اللہ میں سیکورٹی فورسز کے مارٹر حملے میں ایک شہری شہید ہوگیا۔

26نومبر کو سرکاری طیاروں نے صوبہ دایکندی کے ضلع گیزاب کے علاقے نیک آباد میں ایک مقامی مارکیٹ پر بمباری کی جس سے چار دکانیں اور ایک کلینک تباہ ہوگیا۔

26نومبر کو صوبہ بادغیس کے ضلع آبکمری کے علاقے کوکچائل میں سرکاری طیاروں نے ایک شہری (امین اللہ) کے گھر پر بمباری کی۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق بمباری میں امین اللہ سمیت اس کے خاندان کے 12 افراد شہید ہوگئے۔

26نومبر کو صوبہ جوزجان کے ضلع منگجیک میں سرکاری عمارت سے فائر شدہ مارٹر نے گاؤں ہارون دوم کو نشانہ بنایا، جس سے تین افراد زخمی ہوگئے اور لوگوں کے مویشیوں اور املاک کو نقصان پہنچا۔

26نومبر کو سرکاری فوجیوں نے صوبہ روزگان کے ضلع دہراود کے علاقے دیوانہ ورخ کے بازار اور آس پاس کے دیہاتوں پر گولہ باری، جس کے نتیجے میں 15 شہری (خواتین اور بچوں سمیت) شہید اور زخمی ہوگئے۔

26نومبر کو صوبہ لغمان ضلع دولت شاہ کے علاقے زرکمر میں سیکورٹی فورسز کی گولہ باری سے ایک شخص شہید، دو بچے زخمی ہوئے اور لوگوں کو مالی نقصان پہنچا۔

27نومبر کو صوبہ فاریاب ضلع قیصار کے بازار کے قریب سیکورٹی فورسز کے مارٹر حملے میں 5 شہری شہید اور زخمی ہوگئے۔

27نومبر کو صوبہ بغلان کے ضلع مرکزی بغلان کے علاقے غلام بای گاؤں گاؤں میں سیکورٹی فورسز کے مارٹر حملے میں تین دیہاتی شہید اور زخمی ہوگئے اور لوگوں کو مالی نقصان پہنچا۔

27نومبر کو صوبہ ہرات کے ضلع کوہسان کے نواح میں سرکاری فوج کی بمباری میں 8 شہری زخمی ہوئے اور شہریوں کو مالی نقصان پہنچا۔

30نومبر کو صوبہ قندھار کے ضلع میوند کے علاقے کاریزک میں سیکورٹی فورسز نے عام شہریوں کے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں سے 60 سولر شیشے چوری اور گھروں سے قیمتی سامان چھین لیا اور 5 مکانات کو تباہ کر دیا۔

30نومبر کو صوبہ لغمان کے صدر مقام مہترلام کے علاقے بسرام اور بدیع آباد میں سیکورٹی فورسز کی گولہ باری سے چار افراد شہید اور ایک خاتون اور ایک شخص زخمی ہوگئے۔

ذرائع: [بی بی سی ریڈیو، آزادی ریڈیو، افغان اسلامک اور پژواک نیوز ایجنسی، افغان ویب سائٹ، لراوبر، نن ڈاٹ ایشیاء اور بینوا ویب سائٹس]

نومبر 2020ء میں ہونے والی کارروائیوں کا جدول

نمبر شمار	صوبہ	کارروائیوں کی تعداد	فدائی حملے	دشمن کے مالی اور جانی نقصانات: صلیبیوں کی اموات	صلیبیوں کے زخمی	اہلکاروں کی ہلاکتیں	اہلکاروں کے زخمی	فوجی گاڑیوں اور چوکیوں کی تباہی	عام شہریوں اور مجاہدین کی جانی نقصانات: مجاہدین کے شہداء	مجاہدین کے زخمی	گاڑیوں کی تباہی
-1	قندھار	95				137	112	75	2	2	1
-2	ہلمند	115				200	330	65	14	14	
-3	زابل	72				138	42	14	3	3	
-4	روزگان	34				52	16	5	3	3	
-5	ہرات	91				122	99	25	3	3	
-6	فراہ	22				23	23	10	5	5	
-7	بادغیس	42				35	60	6	5	5	
-8	نیمروز	18				34	16	3	2	2	
-9	غور	8				6	7				
-10	فاریاب	41				37	93	9	3	3	
-11	کونڑ	20				11	30	1			
-12	نورستان	5				5	11				
-13	غزنی	47				65	45	8			
-14	خوست	22				40	16	4			
-15	میدان وردگ	35				37	19	7			
-16	لوگر	59				110	45	24			
-17	کاپیسا	17				14	14				
-18	پکتیا	46				63	36	10			1
-19	پکتیکا	11				14	9	3			
-20	ننگرہار	51				95	85	20			
-21	لغمان	29				25	56	16			
-22	کابل	41				31	49	26	1	1	
-23	پروان	10				14	14	3			
-24	قندوز	51	1			196	125	25	2	2	1
-25	بغلان	33				57	42	31			
-26	تخار	7				21	14	3			
-27	سمنگان	1				1					
-28	بدخشان	18				61	42	3			
-29	جوزجان	21				33	38	10			
-30	بلخ	88				105	81	26			
-31	بامیان										
-32	سرپل	21				19	20	4			
-33	دای کنڈی	7				2	17	1	2	2	
-34	پنجشیر										
مجموعہ		1178	1			1803	1606	437	45	93	3

فرمان امیر المؤمنین

شیخ الحدیث ہبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ

افغانستان میں امن کا قیام پڑوسیوں اور خطے کے ممالک سمیت پوری دنیا کے مفاد میں ہے۔ امارتِ اسلامیہ دنیا بھر کے تمام ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات کا حامی ہے، ہم اسلامی ممالک کے ساتھ بھائی چارے کی فضا میں زندگی اور ایک دوسرے کی تعاون کی بنیاد پر تعلقات چاہتے ہیں۔ ہمسایہ ممالک کے ساتھ بہتر ہمسایانہ تعلق اور قابل اعتماد فضا قائم کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ کسی بھی ملک کے داخلی امور میں مداخلت نہیں کرتے اور دیگر ممالک سے بھی یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ کیوں کہ اسی طرح کا مثبت تعامل ہی دیگر ممالک کے امن وامان اور اقتصادی وسماجی شعبوں میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

SHARIAT

Monthly Islamic Magazine